ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

اگست ۱۹۸۴ء

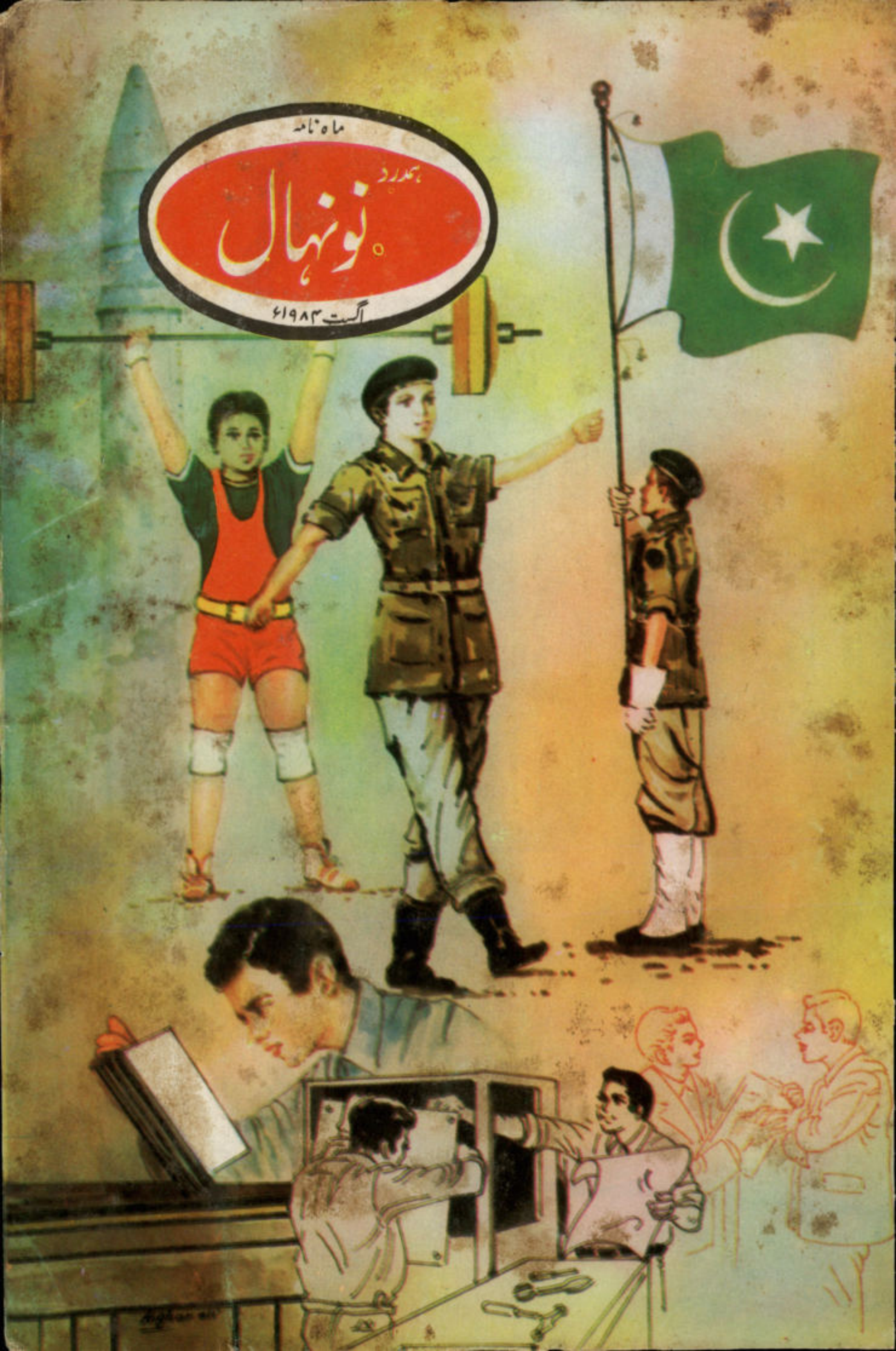

آوازِ اخلاق وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا!

فون: 616001 سے 616005 (۵ لائنیں)

ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال

مجلسِ ادارت

صدر مجلس حکیم محمد سعید

مُدیرِ اعلا مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی سعدیہ راشد

ذیقعد ــ ۱۴۰۴ ہجری
اگست ــ ۱۹۸۴ عیسوی
جلد ــ ۳۲
شمارہ ــ ۸

قیمت فی شمارہ ــ ۳ رُپے
سالانہ ــ ۳۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۶۶ رُپے

پتا: ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۴
سدا بہار قصے	ادارہ	۶
آزادی کی نعمت	مسعود احمد برکاتی	۷
ترانہ (نظم)	جناب عنبر چغتائی	۹
شان دار پک نک (ڈراما)	جناب میرزا ادیب	۱۱
یوم آزادی (نظم)	جناب غنی دہلوی	۲۱
رنگ برنگے پھول	......	۲۲
دو مسافر دو ملک (آخری ٹکڑا)	مسعود احمد برکاتی	۲۵
چالاک خرگوش	کرشن چندر	۳۳
لمبی ناک والا (جاپانی کہانی)	......	۴۳
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۴۹
کارٹون	جناب مشتاق	۵۳
اخبار نونہال	ننھے صحافی	۵۴
رستے پر چلنے والے کھلاڑی	جناب علی اسد	۵۷
ہمدرد انسائکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۶۳
اولمپک کھیل - خاص خاص باتیں	جناب ساجد علی ساجد	۶۷
ہاتھیوں کی لڑائی	جناب سعا	۷۱
صحت مند نونہال	ادارہ	۷۴
تحفے	باذوق نونہال	۷۷
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۸۱
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۸۳
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۵
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۱۰۳
بزم نونہال	نونہال پڑھنے والے	۱۰۴
معلومات عامہ نمبر ۲۲۰	ادارہ	۱۱۰
معلومات عامہ نمبر ۲۱۸ کے جوابات	ادارہ	۱۱۱

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

جاگو جگاؤ

اپنی بات پر قائم رہنا بہت بڑی خوبی ہے ۔مَردوں کا قول بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔اگر ایک بار تم نے کسی سے کوئی بات کہہ دی تو اس سے انکار یا اس پر عمل نہ کرنے سے اعتبار چلا جاتا ہے اور آیندہ تمھاری بات کی کوئی وقعت نہیں رہتی ۔اس لیے بہتر ہے کہ جب بھی کسی سے کوئی بات کہو سوچ سمجھ کر کہو۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سُنی سنائی بات کو تحقیق کے بغیر صحیح سمجھ لیتے ہیں اور دوسروں سے بھی کہہ دیتے ہیں۔ بعض لوگ تو سُنی ہوئی بات کو اس طرح کہتے ہیں جیسے انھوں نے خود دیکھا ہو۔حال آنکہ بزرگوں کا قول ہے کہ" شنیدہ کے بود مانند دیدہ "یعنی سُنا ہوا دیکھے کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔

وعدہ کرتے وقت بھی پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ ہم اس کو نباہ بھی سکیں گے یا نہیں ۔اگر ذرا بھی شبہ ہو کہ وعدہ پورا کرنا مشکل ہو گا یا اس میں کوئی رکاوٹ ہو سکتی ہے تو وعدہ کرنے کے بجائے یہ کہنا بہتر ہے کہ میں کوشش کروں گا،وعدہ نہیں کرتا۔ہاں،اگر ہو سکا تو یہ کام کر دوں گا۔

وعدہ کر کے پورا نہ کرنے سے بڑی مشکل پیش آسکتی ہے ۔تم نے جس سے وعدہ کیا اُس کا نقصان ہو سکتا ہے ۔اس کے علاوہ آیندہ کے لیے تمھارے وعدے کا اعتبار نہیں رہے گا۔ اور یہ تمھارا بہت بڑا نقصان ہو گا،کیوں کہ وہ آدمی ہی کیا جس کی بات کا اعتبار نہ کیا جائے۔

آپ کا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

خیال کے پھول

• حضور اکرمؐ

جو قوم عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دیتی ہے تباہی و بربادی اُس کا مقدر بن جاتی ہے۔

مرسلہ: محمد سجاد اصغر آرزو، شاہدرہ لاہور

• حضرت سلیمان

جاہل اپنے دل میں جو کچھ ہے ظاہر کر دیتا ہے، مگر دانش مند اُسے آخر تک چھپائے رکھتا ہے۔

مرسلہ: محمد جاوید حسین، کراچی

• حضرت علیؓ

کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو تو لاعلمی کا اظہار کر دینا نصف علم ہے۔ مرسلہ: مزمل نور، انیتا نور، کراچی

• حضرت مالک بن دینار

جس دل میں غم نہ ہو وہ بگڑ جائے گا جیسا کہ گھر میں اگر مکین نہ ہو تو وہ بگڑ جاتا ہے۔ مرسلہ: محسن رجب علی، نواب شاہ

• حضرت داتا گنج بخشؒ

دشمن کو دل کی مہربانی سے جیتو اور دوست کو نیک سلوک سے۔ مرسلہ: شہاب احمد، کراچی

• حضرت شیخ سعدی

علم کے بغیر انسان خدا کو بھی نہیں پہچان سکتا۔

مرسلہ: اورنگ زیب علی پاشا، کراچی

• حکیم اقلیدس

جو عالم ہو اور اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ ایسا بیمار ہے جس کے پاس دوا تو موجود ہے، مگر علاج نہیں کرتا۔

• شیکسپیئر

جو میرا پیسہ چُراتا ہے وہ میری سب سے حقیر چیز لے جاتا ہے۔ مرسلہ: محمد مبین، کورنگی، کراچی

• ایک مفکّر

مستقل مزاجی کانٹوں کو پھولوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔

مرسلہ: محمد اشرف قریشی، گدّو بیراج

• نامعلوم

بڑے کام کرو بڑے وعدے نہ کرو۔

مرسلہ: ماریہ بارکزئی، حیدرآباد

• فیثاغورس

دوستی میں شبہ زہر ہے۔

• بیکن

جو زیادہ پوچھتا ہے وہ زیادہ سیکھتا ہے۔

• گوتم بدھ

نفرت، نفرت سے کبھی کم نہیں ہوتی۔ محبت سے کم ہوتی ہے۔

مرسلہ: شجاع الحسن شیخ، لطیف آباد

ہمدرد نونہال کا

خاص نمبر

اگست کے آخری ہفتے میں یہ شان دار نمبر آپ کے ہاتھ میں ہوگا

★ انوکھی، مزے دار، حیرت انگیز کہانیاں۔ چھوٹی بھی بڑی بھی ★ شرارتیں حکیم محمد سعید کی ★ مفید اور نئی معلومات ★ لطیفے اور مزاحیہ ٹکڑے ★ کارٹون ★ انعامی کہانی ★ ذہانت کی آزمائش ★ دل چسپ سائنسی مضامین ★ آسان مذہبی معلومات ★ صحّت و تن دُرستی کے آسان گُر ★ تاریخی واقعات و حکایات ★ انعامی سوالات ★ کھیل، کھلاڑی اور اولمپک کھیلوں پر مضامین

★ لڑکیوں کے لیے روزمرہ کام آنے والے نکتے

★ مسعود احمد برکاتی کے تین نئے مضمون۔

ایک انوکھا انٹرویو —— ایک مقبول و مشہور شخصیت، حکیم محمد سعید سے ایک نئے انداز سے سوال و جواب اور تصاویر

اِن کے علاوہ تمام مستقل عنوانات

• صفحات ۳۰۰ • حسین و رنگین ٹائٹل • قیمت صرف دس رُپلے

اپنی کاپی آج ہی محفوظ کرا لیجیے۔ دوستوں کو بھی بتا دیجیے

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد سنٹر، ناظم آباد ۳، کراچی ۱۸

ناقابل یقین

ایک شخص طویس نے اپنے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ اُس دن پیدا ہوا تھا جس دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اُس کا دودھ اُس دن چھڑایا گیا جس دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوا۔ اس نے بلوغت کی عمر میں اُس روز قدم رکھا جس دن حضرت عمر فاروقؓ شہید ہوئے۔ اس کی شادی اُس روز ہوئی جس دن حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔ اس کا پہلا بیٹا اُس روز پیدا ہوا جس روز حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شہادت ہوئی اور اس کا دوسرا بیٹا اُس دن پیدا ہوا جس دن حضرت امام حسنؓ زہر سے شہید ہوئے۔ (اللہ بہتر جانتا ہے)

منحوس عمارت

عبدالملک بن عُمیر کوفی بیان کرتے ہیں کہ میں اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ساتھ کوفے کے اُس محل میں موجود تھا جسے دارالامارت کہتے تھے اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب اُن کے پاس مُصعَب بن زُبَیر کا سَر لایا گیا تھا۔ (مُصعَب، عبداللہ بن زُبَیر کے بھائی تھے اور عبداللہ کی طرف سے عراق کے حاکم تھے) جب میں نے یہ منظر دیکھا تو مجھ پر خوف طاری ہوا۔ عبدالملک نے پوچھا: کیوں، کیا ہوا؟ میں نے کہا: امیرالمومنین، مجھ پر خوف طاری ہو گیا ہے، کیوں کہ اسی مقام پر میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس موجود تھا کہ حضرت امام حسینؓ کا سَر لایا گیا۔ پھر اسی جگہ میں موجود تھا کہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے پاس عبیداللہ بن زیاد کا سَر لایا گیا۔ پھر اسی جگہ میں موجود تھا کہ مُصعَب بن زُبیر کے پاس مختار ثقفی کا سَر لایا گیا اور آج اسی جگہ مُصعَب بن زُبیر کا سَر موجود ہے۔
عبدالملک بن عُمیر نے بیان کیا کہ میری بات سُن کر عبدالملک بن مروان نے اس عمارت کو گروادیا۔

آزادی کی نعمت

مسعود احمد برکاتی

آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے۔ آزادی انسان کا اصلی جوہر ہے۔ آزادی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے، یہ ایک نعمت ہی نہیں ضرورت ہے۔ آزادی کے بغیر انسان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ غلام انسان ادھورا انسان ہوتا ہے۔ غلامی انسان کو مجبور اور معذور کر دیتی ہے۔ آزاد انسان اپنا مالک آپ ہوتا ہے اور عزت اور وقار کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ آج ہم آزاد ہیں اور خود مختار اپنے سفید و سیاہ کے خود مالک ہیں۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔ اور اس کی قدر پوری طرح اُسی وقت ہو سکتی ہے جب ہمیں معلوم ہو کہ یہ نعمت ہمیں کس طرح ملی اور کِس نے دلوائی۔ آزادی کی نعمت سے فائدہ اٹھاتے وقت ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے اُن محسنوں کو نہ بھولیں جنھوں نے یہ نعمت ہمیں عطا کی۔

برصغیر پاک و ہند پر انگریزوں نے قبضہ کر کے ہمیں غلام بنا لیا تھا۔ ہماری حکومت چھین لی تھی۔ وہ ہماری قسمتوں کے مالک بن گئے تھے جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ ان کی حکومت مضبوط تھی، مگر ہم کم زور تھے۔ آپس کی لڑائیوں نے ہمیں کم زور کر دیا تھا۔ اتحاد نہ ہو تو کم زوری آہی جاتی ہے۔ انگریز اس سے فائدہ اٹھا کر ہم پر حکومت کرنے لگے۔ وہ حاکم تھے اور ہم محکوم۔ اس محکومی نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا تھا۔ ہمیں اپنے آپ پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ کسی قوم کو اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو تو وہ کوئی کام نہیں کر سکتی۔ اس کی صلاحیتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنا نفع نقصان بھی نہیں پہچانتی۔ اس کا مقصد صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح زندہ رہے، لیکن زندگی کا آزادی کے بغیر کیا مزہ۔ غلامی کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ سُلطان ٹیپو کا قول ہے کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے۔ آزاد رہ کر زندہ رہنا ہی اصلی زندگی ہے۔ دنیا میں غلام قوموں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اُن کا مذہب

اُن کی تہذیب، اُن کا علم، اُن کی روایات، اُن کی تاریخ، ان کے رسم و رواج، اُن کی زبان، اُن کی دولت اور تجارت سب خطرے میں ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ غلام قوم کے لوگ اپنا سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اُن کی اُمنگیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اُن کے جسم میں جان تو ہوتی ہے لیکن روح نہیں ہوتی۔ رُوح نہ ہو تو طاقت کہاں سے آئے۔ جذبہ نہ ہو تو عمل کیسے ہو۔ جب کسی قوم میں جذبہ اور عمل دونوں کم زور ہو جائیں تو دوسری قومیں ان پر اپنا حکم چلاتی ہیں۔ ہمارا بھی یہی حال تھا۔ ہم بھی ایسی ہی مصیبت میں مبتلا تھے۔ ہماری صلاحیتوں سے دوسرے لوگ فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ ہم میں جو تھوڑی بہت قوتِ عمل رہ گئی تھی وہ انگریزوں کی خدمت کے کام آ رہی تھی۔ ہم میں جو ذہین اور قابل لوگ پیدا ہوتے تھے وہ انگریز کی نوکری کو فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ لیکن یہ حالات ہماری روح پر بوجھ تھے۔ ہمارے مذہب نے ہمیں سکھایا ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا آقا نہیں۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور اس کو آزاد ہی رہنا چاہیے۔ چناں چہ ہم ہی میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے یہ باتیں ہمیں یاد دلائیں۔ یہ لوگ ہمارے ہمدرد تھے۔ ہمارے محسن تھے۔ انھوں نے ہمیں جھنجھوڑا، غفلت کی نیند سے جگایا۔ خوابِ غلامی سے بیدار کیا۔ یہ ہمارے رہبر اور رہنما ہی تھے جنھوں نے ہم سے کہا کہ جاگو، اٹھو اور اپنا حق حاصل کرو۔ اپنی چھنی ہوئی آزادی کو واپس لو۔ اپنی حکومت اپنے ہاتھ میں لو غیروں کو اپنے وطن سے بھگا دو۔

یہ ہمارے وہ رہنما تھے، جنھوں نے ہم میں شعور پیدا کیا۔ ہمارے دماغوں کو روشنی بخشی۔ انھوں نے جب یہ آواز اُٹھائی تو ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کو بہت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ اُن کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔ ان کی کوششوں کا ہی پھل ہے کہ ہمارے وطن پر آزادی کا سورج چمکا اور ہمارا پاکستان قائم ہو گیا۔ ہم اُن کے احسان مند ہیں۔ ان کے احسان کو یاد رکھنے کے لیے ہم ان کی زندگیوں کو دہرائیں اور اُن کی کوششوں کی کہانیاں پڑھیں تو اس سے ہمیں بھی فائدہ پہنچے گا۔ ہمارا ولولہ تازہ رہے گا اور ہم سمجھ سکیں گے کہ آزادی کی جو نعمت انھوں نے ہمیں دی ہے ہم اس کو کیسے قائم رکھیں۔

(عالمی سروس، ریڈیو پاکستان کا شکریہ)

ترانہ

عنبر چغتائی

اے ارضِ وطن رخشندہ باد
زندہ، تابندہ، پائندہ باد

نغمے، خوش بُو گلشن گلشن
شبنم سے پُر گُل کا دامن
کوہ و دمن سب روشن روشن

اے ارضِ وطن رخشندہ باد
زندہ، تابندہ، پائندہ باد

یاقوت و زمرّد مٹّی اُگلے
سونا اُگلے، چاندی اُگلے
تیرا سمندر موتی اُگلے

اے ارضِ وطن رخشندہ باد
زندہ، تابندہ، پائندہ باد

گیس، نمک اور تیل ہے پاس
گندم، چاول اور کپاس
سب سے بڑھ کر رب کی آس

اے ارضِ وطن رخشندہ باد
زندہ، تابندہ، پائندہ باد

تیرے چمن گُل ریز رہیں
کھیت ترے زرخیز رہیں
نغمات طرب انگیز رہیں

اے ارضِ وطن رخشندہ باد
زندہ، تابندہ، پائندہ باد

قائم شدہ ۱۹۴۱

نفع و نقصان شراکتی نظام
— چند حقائق جن کا جاننا ہر پاکستانی کے لیے ضروری ہے

نفع و نقصان شراکتی نظام سود سے پاک بنیکاری پر مبنی ہے اور شریعت کے عین مطابق ہے۔ اس نظام کے تحت نفع و نقصان پر مبنی شراکتی کھاتے کھولے جاتے ہیں۔ آپ ایک نیا نفع و نقصان شراکتی اکاؤنٹ کھول کر یا اپنے موجودہ سیونگ اکاؤنٹ کو غیر سودی اکاؤنٹ میں تبدیل کر کے اس نئے نظام میں شریک ہو سکتے ہیں۔

حبیب بینک شراکتی کھاتوں میں جمع شدہ رقوم کو محفوظ اور منافع بخش کاروبار میں لگاتا ہے تاکہ کھاتے داروں کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو سکے۔

حبیب بینک تشریف لائیے جہاں نفع و نقصان پر مبنی شراکتی کھاتے کھولنا اور رکھنا بے حد آسان اور منافع بخش ہے۔

حبیب بینک لمیٹڈ

PID (Islamabad)

manhattan international

شان دار پک نِک

میرزا ادیب

کھیل میں کام کرنے والے

نوید	راحت
انجم	شعیب
مسعود	سلیم
رضوان	

یہ سب نویں دسویں کے طالبِ علم ہیں۔

اسٹیج پر چند گملے اِدھر اُدھر رکھ دیے گئے ہیں اور ان گملوں سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ یہ ایک باغ ہے۔

اِس باغ میں ایک ٹوکری پڑی ہے ٹوکری کے اندر چینی کی پلیٹیں، ٹفن کیریئر، پرچیں، پیالے، شیشے کا گلاس اور اسی قسم کے دوسرے برتن نظر آرہے ہیں۔

یہ پک نک منانے والوں کے لیے کھانے کی چیزیں ہیں۔

جب پردہ اُٹھتا ہے تو ٹوکری کے اِردگرد کوئی بھی نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جن لڑکوں کے لیے یہ چیزیں رکھی ہیں وہ دُور کہیں کھیل رہے ہیں۔

ایک طرف سے نوید، انجم اور مسعود تیز تیز قدم اُٹھا کر آتے ہیں۔

تینوں کو پسینہ آرہا ہے۔

جیسے ہی ان کی نظر ٹوکری پر پڑتی ہے ان کے منھ سے بے اختیار "واہ وا" نکل جاتا ہے۔

(سب سے پہلے مسعود ٹوکری کے پاس پہنچتا ہے۔)

مسعود: مزا آگیا۔ بھوک سے بُرا حال ہو گیا ہے۔

انجم: (تھتھلاتے ہوئے) مزا..... تو....

تو.... آ ہی .... گ .... گ .... گ یا ہے پر
.... پر.... پر وہ ک کہا.... ں.... ہے۔
رضوان .... ک .... ک .... ہاں .... ہے؟
نوید: کھانا رکھ کر خود کہاں گُم ہو گیا ہے؟
مسعود: ایک تو کھانا لایا دیر سے ہے
پھر رکھ کر چلا گیا ہے۔
انجم: کو ٹی .... لے .... لے .... لے
جاتا تو.... تو .... ک .... ک .... ک یا ....
ہو .... ج .... ج .... اتا؟
نوید: بھوکے رہ جاتے اور کیا۔ پک نک
کا سارا مزا کرکرا ہو جاتا۔
انجم: اور .... ر .... ر .... ک .... ک
.... یا۔ پر .... رضوان .... گ .... گ یا کہاں
ہے؟
نوید: کیا پتا کہاں گیا ہے۔
مسعود: ہمیں ڈھونڈ رہا ہو گا؟
نوید: ہمیں ڈھونڈنے کی کیا ضرورت تھی۔
یہ تو بڑا اچھا ہوا کہ کسی کی نظر ٹوکری پر نہیں پڑی
ورنہ مزا آجاتا۔
انجم: رضوان .... ن .... ن .... نے اچھا
.... ن .... ن ہیں کیا۔ ٹ .... ٹ .... ٹوکری
.... ر .... ر .... رکھ کر .... آ .... آپ .... چ
.... چ لا .... گ .... گیا ہے۔
مسعود: بُرا کیا ہے اور بہت بُرا کیا ہے
اُس نے۔
نوید: آؤ کھانا کھالیں۔
مسعود: اور رضوان کے لیے کچھ بھی نہ
چھوڑیں۔ اُسے اس کی بے پروائی کی سزا ملنی
چاہیے کہ کھانا رکھ کر خود کہیں گم ہو گیا ہے۔
انجم: نہ .... نہ .... ا .... ا .... لیا ....
ن .... ن نہ .... ہونا .... چ .... چ .... اہ
.... ایے۔
مسعود: ایسا کیوں نہ ہونا چاہیے؟
انجم: ایک تو .... اپنے .... گھ گھ .... ر
سے کھانا .... ہم .... ہم .... آرے لیے پ
.... پ ک .... وا .... وا کر لایا ہے۔ پھر ....
یہ .... با .... بات بھی ہے۔
مسعود: کیا بات؟
انجم: میرے .... سا .... ساتویں .... کے
.... کے .... کے .... ما .... س .... ٹر جی نے ....
ک .... ک .... ک ہا تھا .... سب .... سا ....
تھی .... م .... مل کر کھ .... کھ ائیں تو ....
ب .... ب .... ر .... کت ہو تی .... ہے۔
مسعود: یار بھوک سے ہمارا دم نکلا جاتا
ہے اور یہ ہمیں اپنے ساتویں کے ماسٹر جی کی
نصیحت سُنا رہا ہے۔
نوید: ایک دَم چپ رہو۔
مسعود: ایک .... دو .... تین ....

(نوید اور مسعود ٹوکری میں سے کھانے کے برتن نکالتے ہیں اور پلیٹوں میں چاول وغیرہ ڈال کر کھانے لگتے ہیں۔)

مسعود: کیا مزے دار پلاؤ ہے۔ ہے نا نوید!

نوید: شوربا بھی بہت مزے دار ہے مسعود!

مسعود: رضوان کی امّی اور باجی بہت ہی اچھی ہیں۔ کیسا مزے دار کھانا پکوا کر ہمارے لیے بھجوایا ہے۔

(نوید کی نظر انجم پر پڑتی ہے جو ایک طرف کھڑا انھیں حسرت سے دیکھ رہا ہے)

نوید: انجم، کیا تمھارے ساتویں کے ماسٹر جی نے یہ بھی کہا تھا کہ بھوکے رہو؟

انجم: یہ .... ن .... ن .... ہیں .... ک ک ہا تھا۔ پ .... پ ر .... یہ .... ا .... ا .... چھا .... ن .... ن .... ہیں .... ل .... لگتا .... یار و!

نوید: بالکل اچھا لگتا ہے۔ آؤ کھالو۔

انجم: ا .... ا .... چھا۔

(انجم بھی کھانے میں شریک ہو جاتا ہے نوید ایک ڈبّا کھولتا ہے)

مسعود: کیا ہے اس میں!

نوید: حلوہ ہے مسعود!

مسعود: حلوہ ۔ ارے یہ تو میرا من بھاتا کھاجا ہے۔
انجم: ص.... ص.... ب ر کرو۔ میرے ساتویں .... کے .... ماس .... ٹر جی .... ن .... ن ے .... ک .... ک ہا تھا۔ ص .... ص .... ص .... ب ر .... ک .... کرو۔
نوید: تم صبر کرو۔ ہم تو نہیں کریں گے۔
(مسعود پلیٹ میں حلوہ ڈالتا ہے اور چمچ سے کھانے لگتا ہے)
نوید: کیوں۔ کیسا ہے؟
مسعود: بہت ہی لذیذ۔ اتنا لذیذ کہ کبھی کھایا نہیں ہے۔
انجم: ی.... ی .... یہ .... مجھ .... جے .... بھی .... د .... دو۔
نوید: مگر اب اپنے ساتویں کے ماسٹر جی کی کوئی بات نہ سُنانا۔
انجم: ن .... ن .... ہیں .... س .... س .... ناؤں گا۔
نوید: یہ لو۔
(نوید ایک پرچ میں حلوہ دیتا ہے)
انجم: بڑا .... م .... م .... میٹھا ہے ....
نوید: یار انجم! تم جو بات بھی کرتے ہو الٹی ہی کرتے ہو۔ حلوہ ہوتا ہی میٹھا ہے۔ کبھی سُنا ہے حلوہ کھٹّا ہے؟

انجم: میرے .... سا .... ساتویں .... ک کے .... کے .... ما .... ماسٹر جی .... نے .... ک .... ک ہا تھا .... ک .... ک .... ہا .... تھا۔
نوید: خاموشی سے کھاتے ہو یا نہیں۔
انجم: ک .... ک .... ہا تھا .... میٹھی .... چ .... چ .... ی .... زوں سے .... د .... دانت .... خ .... خ .... خ ....
نوید: خراب ہو جاتے ہیں تو مت کھاؤ۔ دو مجھے۔
انجم: یہ .... ہے .... ب .... بڑا .... م .... م .... زنے .... دا .... ر ....
مسعود: تو اب کھا بھی چکو۔
(انجم جلدی جلدی کھانے لگتا ہے)
نوید: واہ .... وا .... مزا آگیا ہے۔
مسعود: اس بے چارے کے لیے کیا بچایا ہے؟
نوید: جھوٹے برتن
مسعود: ذرا ٹھیرو۔ یہ بھی کیا یاد رکھے گا۔
(مسعود سب برتن اسی طرح ٹوکری کے اندر ڈال دیتا ہے جیسے پہلے پڑے تھے)
نوید: چلو اب رضوان کو ڈھونڈیں مسعود۔
مسعود: چلو نوید۔
انجم: وہ .... ب .... ب .... بے چارا .... ب .... ب ھوکا .... ہی .... رہے .... گ .... گا ....

نوید: تمھارے ساتویں کے ماسٹر جی نے یہ نہیں کہا تھا کہ جو بے پروائی کرتا ہے وہ بھوکا رہتا ہے۔

انجم: ن.... ن.... ہیں.... ک.... ک ہا تھا۔

مسعود: کوئی بات نہیں۔ یہ تم اپنے نویں جماعت کے ماسٹر جی سے سُن لوگے۔

(نوید اور مسعود ہنستے ہوئے ایک طرف جاتے ہیں۔ انجم بھی ان کے پیچھے پیچھے جانے لگتا ہے۔

ان کے جاتے ہی دوسری طرف سے راحت شعیب اور سلیم آتے ہیں۔ تینوں پسینے سے تربتر ہیں۔ آہستہ آہستہ آتے ہیں اور ٹوکری کے پاس ایک طرح سے گر پڑتے ہیں)

شعیب: بھوک سے جان نکل گئی ہے۔

سلیم: شعیب! یہی حالت میری بھی ہے۔

راحت: میں آدھ گھنٹہ اور بھوکا رہا تو مر جاؤں گا۔

(شعیب اور راحت ٹوکری کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں)

سلیم: (انھیں ہاتھ سے روکتے ہوئے) ٹھیر جاؤ۔

راحت: کیوں؟

سلیم: اچھے بچّے ہاتھ دھو کر کھانا کھاتے ہیں۔

راحت: تم اچھے بچّے ہو۔ ہاتھ دھو لو۔ میں تو بھوک سے مَرا جا رہا ہوں۔

سلیم: راحت! تم ندیدے ہو۔

راحت: سلیم! تم پاگل ہو۔

سلیم: میں پاگل ہرگز نہیں ہوں۔

راحت: اور میں ندیدہ بالکل نہیں ہوں۔

شعیب: کیا جھگڑا لے بیٹھے ہو۔ اس وقت آنتیں قُل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں۔

راحت: اور میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔

سلیم: ہاتھ نہیں دھوگے تو چوہوں کے ساتھ بلّیاں بھی دوڑنے لگیں گی۔ یاد رکھو۔

شعیب: بس بس بسم اللہ کرو۔

(شعیب ٹوکری میں سے برتن نکالنے لگتا ہے)

شعیب: یار راحت۔

راحت: کیا ہے شعیب!

شعیب: یار! یہ برتن ہلکے ہلکے کیوں ہیں... جیسے....

راحت: جیسے کیا؟

شعیب: بھرے ہوئے برتن تو بھاری ہوتے ہیں۔ یہ ہلکے کیوں ہو گئے؟ معاملہ کیا ہے؟

راحت: میں نکالتا ہوں۔

(راحت برتن نکالنے لگتا ہے)

راحت: سچ مچ ہلکے ہیں۔ پتا نہیں یہ بات

کیا ہے؟

(شعیب ڈبّا کھولتا ہے)

شعیب: ارے.....

راحت: کیا ہوا؟

شعیب: یہ خالی ہے۔

(راحت ٹفن کیریئر ٹوکری میں سے نکال کر ایک ڈبّا کھولتا ہے۔)

راحت: نہ پلاؤ۔ نہ شوربا۔

شعیب: کہاں گیا یہ سب کچھ۔

سلیم: راحت! وہ جو تمھارے پیٹ میں موٹے موٹے چوہے دوڑ رہے تھے نا۔ وہاں سے نکل کر یہ سب کچھ کھا گئے ہیں۔

راحت: چپ رہو۔ ہماری جان پر بن گئی ہے اور اسے مذاق سوجھ رہا ہے۔

سلیم: کیا سچ مُچ برتن خالی ہیں۔

شعیب: کیا دیکھ نہیں رہے؟

سلیم: دیکھ رہا ہوں۔ کھانا برتنوں کے اندر تھا اب برتنوں کے باہر ہے۔

شعیب: باہر کہاں؟

سلیم: پیٹوں میں۔

شعیب: کن پیٹوں میں؟

سلیم: جو یہ برتن خالی کر گئے ہیں۔

(شعیب راحت کی طرف غور سے دیکھتا ہے)

راحت: کیا دیکھ رہے ہو میری طرف۔ میں سارے برتن کھانوں سے بھر کر لایا تھا۔

شعیب: ہاں میں نے خود دیکھا تھا۔ یہ کھانا سارا کھا کون گیا ہے؟

سلیم: بتا تو دیا ہے۔

راحت: چُپ کرو تم سلیم کے بچّے۔

سلیم: ایسے موقع پر کہتے ہیں.....

شعیب: کیا کہتے ہیں؟

سلیم: کہتے ہیں: "یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

(راحت اور شعیب بے اختیار ہنس پڑتے ہیں)

راحت: سلیم! میں نے تم سے کہا تھا کہ تم ٹوکری کے پاس بیٹھو۔

سلیم: کیوں میں کیوں بیٹھتا۔ تم سیریں کرتے پھرتے اور میں تمھاری ٹوکری کی حفاظت کرتا۔

راحت: تو نتیجہ دیکھ لیا ہے نا۔

سلیم: نتیجہ تو سب نے دیکھ لیا ہے۔

راحت: میں پوچھتا ہوں ہمارا کھانا کھا کون گیا ہے؟

(راحت فضا میں ہاتھ لہراتا ہے)

کون کھا گیا ہے؟ کون ہے وہ — کہاں ہے وہ؟

سلیم: واہ وا لطف آگیا۔ برخوردار!

چشم بد دُور بڑے ہو کر لیڈر بنو گے۔
(سلیم تالیاں بجاتا ہے)
راحت: چپ رہو سلیم! میں جلد ہی بے ہوش ہونے والا ہوں۔
شعیب: اور میں تم سے پہلے بے ہوش ہو جاؤں گا۔
سلیم: خدا کے لیے مجھ غریب پر رحم کرو۔ میں دونوں کو کیسے سنبھالوں گا۔ ٹھیر ٹھیر کر بے ہوش ہونا۔
راحت: پک نِک کی جتنی خوشی ہوئی تھی ساری خاک میں مِل گئی ہے۔
شعیب: بھوکے رہ کر ہم خود بھی خاک میں مِل جائیں گے۔
سلیم: چلو واپس چلتے ہیں اپنے گھروں میں۔
راحت: مجھ میں تو چلنے کی ہمّت بالکل نہیں۔
شعیب: اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ کھانا کوئی کھا گیا ہے۔ بھوک سے نڈھال ہو گئے ہیں۔
راحت: مگر یہ کھانا ہمارا کھا کون گیا ہے؟
شعیب: میں کیا بتاؤں کون کھا گیا ہے۔
راحت: سوچنے دو مجھے۔
شعیب: سوچ کر کیا کرو گے؟
(راحت چلتے چلتے ذرا دُور نکل جاتا ہے۔ ایک طرف اس طرح دیکھتا ہے جیسے کوئی آرہا ہے۔ راحت جلدی سے واپس آجاتا ہے۔)
راحت: (رازداری سے) میں نے کہا...
شعیب: (راحت کے قریب ہو کر) کیا ہے؟
راحت: ایک لڑکا ٹوکری اُٹھائے اِدھر آرہا ہے۔
(شعیب ہنس پڑتا ہے)
شعیب: کیا راز کی بات بتائی ہے۔ کوئی لڑکا آرہا ہے تو ہم کیا کریں؟
سلیم: ہاں ہمیں کیا۔
راحت: ہو سکتا ہے وہ ہماری ہی طرح بے وقوف ہو۔ یعنی کہ.....
شعیب: کھانا رکھ کر چلا جائے۔
سلیم: اتنا بے وقوف وہ نہیں ہو گا۔
راحت: دیکھیں تو ــ تیزی سے آرہا ہے ہم اُدھر چلے جاتے ہیں اور چُھپ کر دیکھتے ہیں کہ کیا کرتا ہے۔
(راحت جلدی جلدی برتن ٹوکری میں ڈال کر اسے اُٹھا لیتا ہے اور ایک طرف جانے لگتا ہے۔ سلیم اور شعیب بھی اس کے پیچھے جانے لگتے ہیں۔ ان کے جاتے ہی رضوان ٹوکری اُٹھائے آتا ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے، "مسعود اور نوید نے بھی جگہ

بنائی تھی۔ یہاں تو ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔" رضوان ٹوکری گھاس پر رکھ دیتا ہے۔ اپنے آپ سے مخاطب ہوتا ہے "انھیں ڈھونڈنا چاہیے۔ بڑی دیر سے کھانا لایا ہوں۔ بھوکے ہوں گے۔" یہ کہہ کر رضوان جانے لگتا ہے۔ شعیب سلیم اور راحت آتے ہیں۔

راحت: میں نے درست کہا تھا نا؟

شعیب: بالکل درست کہا تھا۔

راحت: تو اب منھ کیا دیکھ رہے ہو؟

شعیب: یہ کھانا چھوڑ کر خود کہاں گیا ہے؟

راحت: سیر کرنے کے لیے گیا ہے یا ہو سکتا ہے اپنے ساتھیوں کو بُلانے گیا ہو۔

شعیب: میرا خیال ہے مزے دار کھانا ہے۔

راحت: ضرور مزے دار ہو گا بلکہ بہت مزے دار ہو گا۔

(راحت ٹوکری میں سے ٹفن کیریئر نکالتا ہے)

سلیم: اگر اس نے دیکھ لیا تو؟

راحت: کیا ہم نے انھیں دیکھا تھا جو ہمارا کھانا چٹ کر گئے ہیں۔

شعیب: وہ معلوم نہیں اب تک کہاں پہنچ گیا ہو گا۔

(راحت اور شعیب کھانے لگتے ہیں۔ سلیم شریک نہیں ہوتا۔

راحت: ڈرتے ہو سلیم؟

سلیم: نہیں ڈرتا تو نہیں ہوں۔

راحت: تو پھر آؤ۔

(سلیم بھی کھانے میں شریک ہو جاتا ہے)

سلیم: ہے تو یہ بُری بات۔

شعیب: جنھوں نے ہمارا کھانا کھا لیا تھا، ان کے لیے بُری بات نہیں تھی اور ہمارے لیے بُری بات ہے۔

سلیم: ہوئی نا یہ بات۔

(تینوں جلدی جلدی کھا لیتے ہیں)

راحت: خیریت گزری ہے کوئی نہیں آیا۔

سلیم: بھاگو یہاں سے اب۔

راحت: نہیں۔

سلیم: کیا مطلب؟

راحت: جس طرح انھوں نے ہمارا سب کچھ کھا کر برتن ٹوکری میں رکھ دیے تھے ہمیں بھی یہی کرنا چاہیے۔

سلیم: بالکل ٹھیک۔

(تینوں قرینے سے برتن ٹوکری میں رکھ دیتے ہیں)

شعیب: راحت! یار اپنی ٹوکری تو اُٹھا لو۔

(راحت اپنی ٹوکری اُٹھا لیتا ہے)

سلیم: چلو گھر چلیں۔

شعیب: نہیں، گھوم پھر کر واپس آ جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں یہاں ہوتا کیا ہے۔

راحت: وہ جب واپس آئے گا تو دیکھے گا۔ سب کچھ موجود ہے کھانا نہیں ہے۔

(راحت زور سے ہنس پڑتا ہے تینوں چلے جاتے ہیں۔ مسعود، نوید، انجم اور رضوان آتے ہیں)

رضوان: تم نے بتایا تھا کہ ہم یہاں ہوں گے تو پھر یہاں کیوں نہیں رہے؟

مسعود: تمھیں ساری بات بتا تو دی ہے۔ ہم ادھر کھیلتے رہے۔ واپس آئے تو یہاں ایک ٹوکری ملی۔ ہم نے سمجھا تم لائے ہو۔

انجم: او.... ر.... ر.... ر.... ہم نے س ... س .... ب.... ک .... کچھ....

مسعود: کھا لیا۔ بڑے مزے سے۔ بڑا مزے دار کھانا تھا۔

رضوان: میں آیا تھا تو یہاں کوئی ٹوکری نہیں تھی۔

نوید: لے گئے ہوں گے بے چارے۔

مسعود: رضوان! تمھاری وجہ سے وہ ٹوکری والے بھوکے رہے ہوں گے۔

رضوان: میں کیا کر سکتا تھا۔ کھانا دیر سے تیار ہوا تھا۔ دیر سے آیا ہوں۔

نوید: اب کیا ارادہ ہے؟

رضوان: میں نے تو گھر میں کچھ بھی نہیں کھایا تھا کہ اکٹھے کھائیں گے۔

نوید: سچی بات پوچھو تو مجھے پھر بھوک لگ گئی ہے۔

انجم: میرے .... سا.... سا.... ساتویں.... ک.... ک .... ے م.... م.... ا.... س ٹر .... ج ج ی نے .... ک.... ک .... ہا تھا... ب.... ب .... بار .... بھوک .... ل ..... گ نی .... ٹھ .... ٹھ .... یک .... ن.... ن... ہیں..... ہے۔

نوید: تو تم مت کھاؤ انجم۔

انجم: م.... م.... میں نے .... ک .... ک .... ب کہا.... ہے کہ.... ن..... ن ہیں .... کھ.... کھ .... ؤں گا.... م.... میں.... ؟

مسعود: تم اپنے ساتویں کے ماسٹر جی کی ہر بات یاد رکھتے ہو۔ مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔

نوید: وہ یہ باتیں اس لیے سُناتا ہے کہ تم ان پر عمل کرو۔

رضوان: اب کھاؤ دوست!

(رضوان ٹفن کیریئر ٹوکری میں سے نکالتا ہے)

رضوان: ہیں؟

نوید: کیا ہوا؟

رضوان: یہ اتنا ہلکا کیوں ہو گیا؟

مسعود: کیا؟

(رضوان ڈبّے کھولتا ہے۔ سب خالی ہیں.

سب حیران و پریشان ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں)

رضوان: یہ ہوا کیا ہے؟ کھانا کدھر گیا؟

(ایک طرف سے راحت، سلیم اور شعیب آتے ہیں۔ راحت نے ٹوکری اٹھا رکھی ہے۔)

شعیب: معاف کیجیے۔ آپ لوگوں کے ساتھ وہی کچھ ہوا ہے جو ہمارے ساتھ ہوا ہے۔

مسعود: آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے؟

شعیب: جو آپ کے ساتھ ہوا ہے۔

مسعود: ہم کچھ سمجھ نہیں سکے۔

راحت: میں بتاتا ہوں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ اس باغ میں پیپل کا ایک درخت ہے۔

سلیم: ہوگا۔

راحت: بہت بڑا درخت ہے۔

سلیم: بہت بڑا ہوگا۔ پھر؟

راحت: اس پر بھوت رہتے ہیں۔

انجم: بھو.... بھو.... بھوت؟

راحت: جی بھوت .... یہ بھوت بڑے ہی شریر ہیں۔

مسعود: بھوت بڑے ہی شریر ہیں۔ ہوں گے۔ ہیں کیا؟

راحت: عرض کرتا ہوں۔ کھانا ٹوکری میں ہو اور پاس کوئی نہ ہو.... تو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ہمارا کھانا بھی کھا گئے اور آپ کا بھی۔

(سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور پھر مسکرانے لگتے ہیں۔)

مسعود: مگر .....

راحت: فرمائیے۔

مسعود: وہ بھوت.... شاید ہم خود ہیں۔

راحت: جی.... جی.... جی۔ وہ بھوت ہم خود ہیں۔

(سب بے اختیار ہنس پڑتے ہیں)

شعیب: یہ پک نک یاد رہے گی۔

رضوان: تم ـــ سب بھوت بن کر کھا چکے ہو ـــ میں ـــ تو بھوکا ہوں۔

راحت: ہماری ٹوکری میں ابھی کچھ ہے۔

رضوان: پھر یہ پک نک بڑی شان دار ہے۔

(رضوان کے ان الفاظ پر پردہ گرتا ہے)

*

ننگا پربت

ننگا پربت ہمالیہ پہاڑ کی ۲۶۶۶۰ فیٹ اُونچی چوٹی ہے۔ یہ بلند اور عظیم چوٹی پاکستان میں واقع ہے۔ ہمدرد نونہال جون ۸۴ء میں صفحہ ۱۱۲ پر غلطی سے اس کا محلِ وقوع ہندستان لکھ دیا گیا، جس کا ہمیں افسوس ہے۔

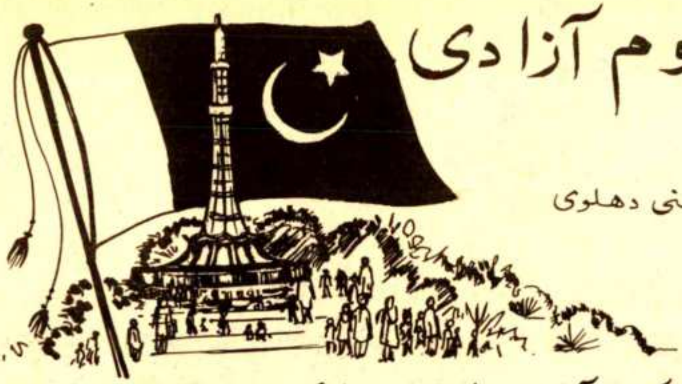

یوم آزادی

غنی دہلوی

آج کے دن آزاد ہوئے تھے خوشیوں سے دل شاد ہوئے تھے
آزادی کا سانس لیا تھا اپنا وطن آزاد ہوا تھا
اپنے وطن کی باہیں کشادہ اپنے وطن کی راہیں کشادہ
آزادی سے اس میں رہیے قوم و وطن کے نغمے کہیے
اپنی بہاریں اپنا چمن ہے خوشیوں سے بھرپور وطن ہے
دریا بھی دن رات رواں ہیں موجیں بھی سب نغمہ خواں ہیں
ہے یہ زبان پر اپنا ترانہ اپنی دھرتی ، اپنا خزانہ
اپنا وطن ہے سب سے پیارا پرچم جس کا چاند ستارہ
اپنے چمن کی شان نرالی پھول کھلے ہیں ڈالی ڈالی

پاکستان کا مطلب کیا ہے
لا الٰہ الا اللہ ہے

رنگ برنگے پھول

آپ نے گھر میں، باغ میں، چمن میں رنگ برنگے پھول ضرور دیکھے ہوں گے۔ کیسے خوب صورت معلوم ہوتے ہیں، لیکن کبھی آپ نے سوچا ہے کہ پھولوں کے اتنے مختلف رنگ کیوں ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ تو ایک ہی پودے پر مختلف رنگوں کے پھول نظر آتے ہیں۔ سائنس داں کہتے ہیں کہ پھولوں میں بھی ہماری طرح جان ہوتی ہے۔

ہم یہ تو جانتے ہیں کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی۔ نباتات کی نہایت ابتدائی شکل کائی بھی سب سے پہلے پانی سے ہی شروع ہوئی۔ وہ بڑھی پھیلی تو بحری گھاس نمودار ہوئی۔ کچھ پودے ایسے تھے جنھوں نے تری کو چھوڑ کر خشکی کا رُخ کیا اور اس طرح زمین پر نباتات کا سلسلہ تیزی سے شروع ہوا۔

شروع میں ہماری یہ زمین بڑی ہی بے رونق اور اُجاڑ تھی۔ پودے اُگ بھی آئے تھے تب بھی پھولوں کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ پھول شروع ہوئے بھی تو اُن کی قسمیں بہت کم تھیں اور اُن کے رنگ بھی دِل کش نہیں تھے۔ شاید اس لیے کہ اُس دور میں انھیں دیکھنے والا اور اُن سے خوش ہونے والا انسان بھی تو نہیں تھا۔ زمین پر نباتات اور بہت بڑے بڑے حیوانات تو پہلے آئے، انسان بہت بعد میں آیا۔

کیڑے مکوڑوں کی اہمیت

شاید آپ کو یہ پڑھ کر تعجب ہو کہ پھولوں کی مختلف قسمیں پیدا کر دینے اور اُن میں طرح طرح کے رنگ بھرنے میں کیڑوں مکوڑوں نے بڑی مدد کی ہے۔ اُس زمانے میں زمین پر کیڑوں مکوڑوں کی بڑی کثرت تھی۔ پھول اب بھی کیڑے مکوڑوں کی مدد سے ہی زندہ ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جس طرح جانوروں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں اُسی طرح پھولوں

کے بھی جوڑے ہوتے ہیں۔ شہد کی مکھیاں اور دوسرے بے شمار کیڑے مکوڑے نر اور مادہ پھولوں کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں، کبھی اِس پھُول پر بیٹھ گئے اور کبھی اُس پھول پر۔ ہر پھُول پر باریک زیرہ ہوتا ہے، جو اِن کیڑوں مکوڑوں کے پَروں اور ٹانگوں پر لگ کر مادہ پھُول پر پہنچ جاتا ہے۔ ہوا بھی اس زیرے کو اِدھر اُدھر پھیلانے میں بڑی مدد دیتی ہے، کیوں کہ وہ بہت ہلکا ہوتا ہے۔ اس طرح پھولوں کی نسل شروع سے بڑھتی پھیلتی رہی اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کیڑے مکوڑے بھی دنیا میں بڑے کام کی چیز ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو آج ہماری زمین پر ایک بھی رنگ دار خوب صورت پھُول موجود نہ ہوتا۔ یوں تو ظاہر میں یہ کیڑے مکوڑے حقیر اور اندھے معلوم ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن میں سے اکثر کی آنکھیں بڑی تیز ہوتی ہیں۔

پودوں کی سمجھ

پودے اور پھُول بھی اپنی جگہ سمجھ گئے کہ اُن کی زندگی کا انحصار زیادہ تر ان کیڑے مکوڑوں پر ہے۔ اُنھیں اپنی طرف بُلانے اور اُن کی توجہ اپنی طرف کرنے کے لیے تمام پودوں نے یہ کوشش کی کہ اُن کے پھول خوب صورت رنگوں سے بھر جائیں۔ زمین کی آب و ہوا اور قدرت نے اِس کام میں ان کی مدد کی۔

جب کوئی پھول کھل کر اپنی پنکھڑیاں چاروں طرف پھیلاتا ہے تو وہ چاروں طرف اڑنے والے کیڑے اور پتنگوں کو اپنی طرف بُلانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ پھولوں میں صرف رنگ ہی نہیں ہوتا بلکہ رَس اور خوش بُو بھی ہوتی ہے اور مٹھاس بھی جسے بہت سے کیڑے مکوڑے پسند کرتے ہیں۔ شہد کی مکھیاں مختلف پھولوں سے ہی شہد حاصل کرتی ہیں اور اُسے اپنے چھتّے میں جمع کرتی ہیں۔

کیڑوں کی پسند

جس طرح ہم آپ مختلف رنگ پسند کرتے ہیں اُسی طرح کیڑے مکوڑے بھی اپنی پسند کے مالک ہوتے ہیں۔ کسی کو کوئی رنگ پسند ہے اور کسی کو کوئی۔ کسی کو کسی پھول کی خوش بُو اور رَس پسند ہے اور کسی کو کسی دوسرے پھول کا، اس لیے کوئی کیڑا کسی پھول پر بیٹھتا ہے اور کوئی کسی پر۔

پھول بھی کیڑوں مکوڑوں کی ضروریات کو سمجھتے ہیں اور انھیں اپنی طرف کھینچنے کے لیے مختلف بندوبست کرتے ہیں۔ کیڑوں مکوڑوں کی اس پسند ناپسند نے ہی پھولوں کو مختلف رنگ بخشے، کیوں کہ ان میں ایک طرح کا مقابلہ پیدا ہو گیا اور یوں اُن کی بہت سی قسمیں اور بہت سے رنگ پیدا ہوئے۔

شہد کی مکھیاں

پودے بھی اپنی خوب صورتی بڑھانا چاہتے ہیں اور اپنے پھولوں میں طرح طرح کے رنگ بھرنا چاہتے ہیں مثلاً بعض پودے چاہتے ہیں کہ شہد کی مکّھیاں اُن کے پھولوں پر آ کر بیٹھیں اور اُن کی نسل پھیلانے میں مدد دیں تو وہ اپنے پھولوں میں نیلگوں رنگ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں کہ یہ مکّھیاں اس رنگت کو پسند کرتی ہیں۔ اُنھیں سرخ اور زرد پھولوں سے لگاؤ نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ اُن کی طرف نہیں جاتیں۔ جدید تجربات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ شہد کی مکّھیوں میں سُرخ رنگ دیکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اُنھیں سرخ رنگ بھی سیاہ نظر آتا ہے، لیکن وہ بالائے بنفشی رنگ دیکھ لیتی ہیں جنھیں ہم انسان بھی نہیں دیکھ سکتے۔

دو مُسافر دو ملک

مسعود احمد برکاتی

لووْر میوزیم کے عجائب و نوادِر دیکھ کر جب دوبارہ باہر نکلا تو چند آدمی پلاسٹک کے کبوتر بیچ رہے تھے۔ ان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ اس طرح پیچھے پڑ گئے جس طرح پاکستان اور ہندُستان کے خوانچے والے گاہک کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ وہ کبوتر میں چابی بھر کر اُڑا اُڑا کر دکھا رہے تھے۔ ایک سے قیمت پوچھی تو تیس فرانک بتائی۔ میں نے انکار کر کے رُخ بدلا تو دوسرا آگے بڑھا۔ اس سے سودا ہو گیا اور میں نے بیس فرانک میں یہ مصنوعی کبوتر خرید لیا۔ ٹھنڈی بوتلیں بیچنے والوں میں لڑکیاں بھی تھیں، لیکن پہلوان قسم کی۔ وہ مردوں سے کچھ زیادہ تگڑی معلوم ہوتی تھیں۔ غرض وہاں سے واپسی کے لیے باہر نکلا۔ کاروں کے ہجوم میں پیدل چلتے وقت بڑی احتیاط سے قدم اُٹھانے پڑتے ہیں، ورنہ چُوکے اور مارے گئے۔

خراماں خراماں وسیع عمارت سے باہر نکلا۔ سڑک پار کی تو صاحب، پھر دریائے سین سامنے آ گیا۔ پُل آنے تک کنارے کنارے چلتا رہا۔ پھر پُل پار کر کے لوگوں کی چال ڈھال پر غور کرتا ہوا سین کے دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ زیادہ بھیڑ نہیں تھی، بلکہ شہر کے اس حصّے میں کچھ ویرانی سی چھائی ہوئی تھی۔ اب

محرابِ فتح۔ پیرس

ہیں اندازے سے چل رہا تھا۔ مجھے اپنی منزل کی صحیح سمت نہیں معلوم تھی۔ مقصد بھی کچھ مٹر گشت یا آوارہ گردی کرنا تھا۔ سین کے کنارے جو منڈیریں بنی ہوئی ہیں اُن میں ایک کٹاؤ آیا جہاں سے نیچے جانے کے لیے ایک اُتار (سلوپ) نظر آیا۔ بے اختیار میں اس طرف مڑ گیا، چند قدم آگے چل کر غور کیا کہ ایک کشتی (کروزر) کھڑی ہے۔ خیال ہوا کہ اس میں بیٹھ کر دریائے سین کی سیر کرنی چاہیے، لیکن اس کے پاس لوگ نظر نہ آئے۔ صرف ایک لڑکی واپس آتی دکھائی دی۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے معلوم کرنے کی کوشش کروں خود وہ مجھ سے سوال کر بیٹھی کہ کیا اس کشتی میں سیر کی جاسکتی ہے۔ اندازہ ہوا کہ وہ بھی سیاح تھی۔

واپس اوپر آکر تھوڑا سا چلا تو کتابوں کی ایک دُکان نظر آئی۔ اس میں گھس گیا۔ کچھ انگریزی رسالوں کے علاوہ کتابیں زیادہ فرانسیسی میں تھیں۔ رفیق عزیز حکیم نعیم الدین زبیری کے لیے فونٹن پین خریدا۔ تحفے تحائف سفر کا ایک لازمی حصہ بن گئے ہیں۔ یاد آیا کہ جلد ہوٹل پہنچنا چاہیے۔ آج ڈاکٹر مظہر الحق صاحب کے ہاں دعوت ہے۔ وہ ہمیں لینے کے لیے خود آئیں گے۔ حکیم صاحب منتظر ہوں گے۔ ہوٹل دوڑ کر پہنچا۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر مظہر الحق صاحب ہمیں لینے یونیسکو آئیں گے۔ اس لیے ہمیں وہاں چلنا ہے۔ جلدی جلدی نہا کر یونیسکو پہنچے۔ وہاں حکیم صاحب بھول بھلیوں میں سے ہوتے ہوئے ایک بڑے کمرے میں لے گئے۔ معلوم ہوا کہ یہ کمرا پاکستان کے لیے مخصوص ہے۔ وہاں ڈاکٹر ایم اے قاضی صاحب (صدرِ پاکستان کے مشیر سائنس) بھی موجود تھے۔ وہ حکیم صاحب کے دوست ہیں۔ وہاں بیٹھ کر تھوڑی دیر گپ شپ ہوئی۔ حکیم صاحب چاہتے ہیں کہ مسلم سائنس دانوں پر جامع کتابیں شائع کی جائیں۔ قاضی صاحب نے اس کی اہمیت سے اتفاق کیا۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر مظہر الحق صاحب آگئے اور ہم ان کے ساتھ ان کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ گیارھویں منزل پر ان کا فلیٹ ہے۔ لفٹ سے اوپر پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب عزیزی ڈاکٹر سہیل برکاتی کے استاد رہے ہیں، اور بہت مشفق و مہربان۔ سہیل میاں کو بھی پوچھتے رہے۔ کھانا ہوا۔ بڑا مزے دار کھانا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی بیگم بھی حال ہی میں پیرس پہنچی ہیں۔ وہ حج کو جانا چاہتی ہیں۔ ضابطے کی الجھن تھی۔ حکیم صاحب نے صحیح طریقِ کار بتایا۔ کھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب ہمیں ہوٹل پہنچا گئے۔

ہوٹل میں حکیم صاحب سے تھوڑی دیر دوسرے دن کی یونیسکو کونسل کی میٹنگ کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی۔ میٹنگ میں شرکت کرکے اندازہ ہوا کہ چیف ایڈیٹر جناب ایڈورڈ گلیساں اور دوسرے

کار پرداز ہماری کارکردگی سے بہت مطمئن ہیں۔ اگرچہ حکیم صاحب کو گلیساں صاحب کا طریق کار زیادہ پسند نہیں آیا۔ تاہم حکیم صاحب نے طے کر لیا تھا کہ ہم "پیامی" کی اشاعت کے سلسلے میں مسائل و مشکلات کا ذکر نہیں کریں گے۔ ۲۶ زبانوں کے دوسرے ملکوں کے ایڈیٹر صاحبان بڑی تفصیل سے اپنے مسائل بیان کر رہے تھے۔ جب بھی گلیساں صاحب اظہارِ خیال کی دعوت دیتے حکیم صاحب رسالے کی ترقی و اشاعت کے سلسلے میں تو تجویزیں دیتے اور تدابیر بتاتے، لیکن خود اپنی کوئی مشکلات نہیں بتاتے۔ حال آنکہ پیامی کے سلسلے میں مشکلات تو پیش آتی رہتی ہیں اور فروری ۱۹۷۷ء سے یونیسکو کوریئر کے اردو ایڈیشن پیامی کی اشاعت پر بڑی محنت ہو رہی ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ تو پاکستان کے دانشوروں کی دل چسپی میں کمی ہے۔ اتنا مفید اور اہم رسالہ حکیم صاحب نے اردو میں اسی لیے شروع کیا تھا کہ اس سے اردو کی خدمت ہو گی اور پاکستان کے پڑھے لکھے لوگوں کو دنیا کو درپیش مسائل کے بارے میں معلومات ہوں گی اور ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ بہرحال ہم نے پاکستان کے بارے میں اچھا تاثر چھوڑنے کی کوشش کی۔

ایک دن میں پیرس کا مشہور اور تاریخی گرجا "نوتر دام" دیکھنے پہنچ گیا۔ ٹیکسی پکڑی تو اس نے

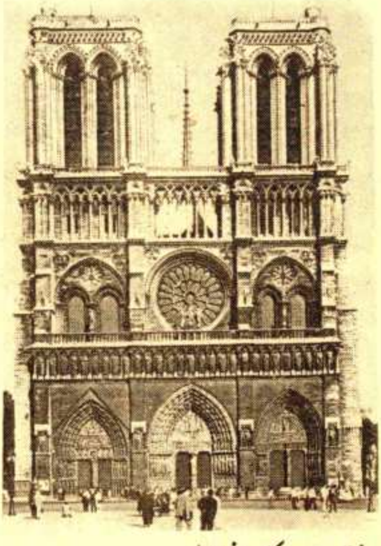

نوتر دام کا بیرونی منظر

نپولین کا مقبرہ — بیرونی منظر

خاص گرجا کے سامنے اُتار دیا۔ وہاں بعض ٹیکسیوں میں لکھا ہوتا ہے کہ سگرٹ پینا منع ہے۔ بلکہ سگرٹ کی تصویر بھی لگی ہوتی ہے اور اس پر کانٹا بنا ہوتا ہے۔ اس ٹیکسی والے نے مجھ سے زبانی بھی کہا کہ ٹیکسی میں سگرٹ نہ پینا۔ کتنا صحت بخش مشورہ تھا۔

نوتر دام میں داخل ہوا۔ کیا خوب صورت عمارت ہے۔ اس گرجا گھر (وہ اس کو کتھیڈرل نوتردام کہتے ہیں) کی تعمیر کا آغاز ۱۱۶۳ء میں ہوا۔ اس کو بعض لوگ تاریخِ فرانس کا گرجا بھی کہتے ہیں۔ اس عمارت کی شان اور سجاوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بہت بلند عمارت ہے۔ اس کی دیواریں خوب صورت مجسموں اور نادر تصویروں سے سجی ہوئی ہیں۔ کھڑکیوں کو طرح طرح کے رنگوں سے روشن کر رکھا ہے۔ اس میں کئی تاریخی موقعوں پر جشن بھی منائے جا چکے ہیں۔ نپولین کی تخت نشینی بھی اسی گرجا گھر میں انجام پائی تھی۔ ہمارے ہاں نوترے دیم کا نام ناول "نوتر دام کا کُبڑا" (دی ہنچ بیک اوف نوتر دام) کی وجہ سے زیادہ عام ہوا ہے جو وکٹر ہیوگو کا لکھا ہے، پھر جب اسی نام سے ایک فلم بنی تو یہ گرجا اور بھی مشہور ہوا۔ کیمرا میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے گرجا کے ایک اندرونی کمرے میں جا کر ایک تصویر کھینچی، جس میں ایک خاتون بھی آگئیں، پھر انھی خاتون کو کیمرا پکڑا کر اُن سے درخواست کی کہ وہ اس کی شیشوں کی الماری کے پس منظر میں میری بھی ایک تصویر اُتار دیں، جس کو انھوں نے خوش دلی سے قبول کر لیا۔

نوتر دام سے نکلا تو سین کے کنارے کنارے بہت سے کیبن نظر آئے، جن میں پرانی کتابیں، رسالے اور تصویریں فروخت ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں دُکان دار یا ان کے ایجنٹ مختلف شہروں سے لا کر یہاں بیچتے ہیں۔

نپولین کا مقبرہ بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ نپولین بونا پارٹ بڑا اہم آدمی تھا۔ اس نے بڑی ترقی کی۔ اس کو فرانس سے بہت محبت تھی۔ یہ عمارت اِن وے لِڈس (INVALIDES) فرانس کے ایک بادشاہ نے بنائی تھی اور گرجا کے لیے بنائی تھی۔ یہ عمارت بھی نہایت نفیس ہے۔ نپولین کو ۱۸۱۴ء میں تخت سے دستبردار ہونا پڑا اور ۱۸۱۵ء میں واٹر لُو کے میدان میں آخری شکست ہوئی اور سینٹ ہیلینا میں جلا وطن کر دیا گیا، جہاں ۱۸۲۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ۱۸۴۰ء میں سینٹ ہیلینا سے اس کی لاش لا کر اس شان دار مقبرے میں دفن کی گئی۔ یہ فرانسیسیوں کی نپولین سے محبت کا ایک ثبوت ہے۔ اس عمارت کو دیکھ کر تاج محل یاد آتا ہے۔ اگرچہ تاج محل کی برابری نہیں کر سکتی۔ ہیں دونوں

مصنف — نوتر دام میں

مقبرے ہی۔ تاج محل شاہ جہاں نے اپنی چہیتی بیوی کی یاد کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لیے بنایا تھا، مگر "ان ولے لِڈس" ایک عبادت گاہ کے لیے بنائی گئی تھی، لیکن اب وہ نپولین کے مقبرے کی وجہ سے مشہور ہے۔ نپولین اتنا بڑا اور بہادر آدمی تھا، لیکن کہتے ہیں کہ وہ بلّی سے ڈر جایا کرتا تھا۔ اس کا قد ٹھنگنا تھا، لیکن تاریخ میں اس کا نام بڑا ہے۔ اس نے وقت کی قدر کر کے اتنا اونچا مقام حاصل کیا۔ اس نے کہا تھا کہ میں اپنے حریفوں پر اس لیے غالب آجاتا ہوں کہ وہ چند لمحوں کو عموماً کچھ نہیں سمجھتے، لیکن میں ان لمحوں کی قدر و قیمت خوب سمجھتا ہوں۔

عمارت کے اندر داخل ہوتے ہی کچھ مشینیں نظر آتی ہیں۔ یہ مشینیں ایک طرح کا گراموفون ہیں۔ ان میں سے کسی مشین میں دو فرانک کے سکّے ڈالیے اور فون کا ساریسوَر اُٹھا کر کان سے لگا لیجیے اور عمارت کی تاریخ سُن لیجیے۔ یہ دیکھ کر مجھے علامہ اقبال کا ایک قول یاد آیا۔ انھوں نے کیسی عجیب و غریب اور مزے دار بات کہی تھی:

"تاریخ ایک طرح کا ضخیم گراموفون ہے، جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں۔"

ہوٹل ڈوکین سے نپولین کا مقبرہ زیادہ دُور نہیں ہے۔ میں جب اس کے قریب پہنچ گیا اور

سڑک پار کرنا چاہتا تھا کہ ایک آواز آئی جیسے کوئی مجھے پکار رہا ہے۔ میں نے آواز کی طرف نظر اُٹھائی تو ایک صاحب عمدہ سی کار میں بیٹھے ہیں۔ انھوں نے مجھے ہاتھ کا اشارہ کر کے قریب بُلایا۔ میں سمجھا کہ شاید ان کو کہیں کا پتا پوچھنا ہوگا۔ کار کے پاس پہنچا تو ان صاحب نے کہا کہ میں اٹلی سے یہاں ایک نمائش میں آیا تھا۔ کار کی گیس ختم ہو گئی ہے۔ (یورپ والے کار کے پٹرول کے بجائے گیس کا لفظ ہی استعمال کرتے ہیں)۔ میرے پاس یہ دو زنانے کوٹ بچ گئے ہیں۔ میں آپ کو بیچ نہیں رہا ہوں بلکہ تحفے کے طور پر دے رہا ہوں، مگر مجھے گیس کے لیے پیسے چاہییں۔ یہ کہہ کر اُس نے دو بہت عمدہ زنانہ کوٹ دکھائے۔ کوٹ واقعی بہت نفیس تھے۔ میں نے کہا کہ بھائی، میں تو خود مسافر ہوں، میرے پاس پیسے کہاں ہیں۔ ویسے آپ کو کتنے فرانک کی ضرورت ہے؟ اس نے کہا کہ ایک ہزار۔ میں نے کہا کہ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا کہ اچھا پانچ سو فرانک دے سکتے ہو؟ میں نے معذرت کی اور کہا کہ میرے پاس سو دو سو فرانک سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس نے فوراً اپنی کار اسٹارٹ کی اور یہ جا وہ جا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں صحافی ہوں۔ میں نے اس سے وزیٹنگ کارڈ مانگا، لیکن اس کے پاس ہوتا تو وہ بناتا۔ کوئی اُچکا تھا۔ میں چوراہا پار کر کے نپولین کے مقبرے میں پہنچ گیا۔

پیرس میں شاید ٹریفک کے اصول کچھ مختلف ہیں۔ وہاں چوراہوں پر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجائے چار طرف کے آٹھ طرف سے کاریں آتی جاتی ہیں۔

نپولین کے مقبرے میں داخل ہونے کا ٹکٹ ہے۔ دس فرانک کا ٹکٹ مہنگا معلوم ہوا۔ عمارت کے ایک وسیع کمرے میں ایک خاصا کشادہ سا کنواں ہے۔ اس کے اندر نپولین کی قبر ہے۔ اگر عمارت کی خوبیاں بیان کرنا چاہوں تو اس کے لیے اتنی فنی اصطلاحات استعمال کرنی پڑیں گی کہ عبارت بوجھل ہو جائے گی۔ بہرحال مقبرہ دیکھ کر باہر آیا تو احاطے کے اندر ہی کشادہ لان ہے جس میں رنگا رنگ پھول عجب بہار دے رہے تھے۔ میں تھوڑی دیر سستانے کو ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ وہاں ہالینڈ سے آیا ہوا ایک جوڑا بھی بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر میں باہر آیا اور ایک ٹھیلے والے سے پیرس کا پنوراما ۱۵ فرانک میں خریدا، جس میں آنکھ لگا کر بٹن دباتے جائیے اور پیرس کے تمام تاریخی اور قابلِ دید مقامات دیکھتے جائیے۔

ایک دن شانزالیزے بازار گیا۔ اس کو فرانس کا ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کا حسین ترین بازار کہا

جاتا ہے۔ کشادہ سڑک کے دونوں طرف شاہ بلوط کے شاداب درخت لگے ہیں۔ بہت لمبی سڑک ہے جو محرابِ فتح پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس بارونق سڑک پر دُکانوں کے علاوہ متعدد سینما گھر بھی ہیں۔ سوچا کہ دیکھنا چاہیے یہاں کیسی فلمیں چلتی ہیں اور جو سینما گھر سب سے پہلے سامنے آیا اس میں گھس گیا۔ کھڑکی پر پہنچا تو ٹکٹ فروش خاتون نے پوچھا "کون سی فلم کا ٹکٹ؟" "اچھا، یہاں تین فلمیں بیک وقت چل رہی ہیں!" سامنے ایک تصویر لگی ہوئی تھی اُس کی طرف اشارہ کر کے کہہ دیا کہ اس کا ۲۸ فرانک یعنی کوئی پچاس رُپے کا ٹکٹ تھا خرید لیا اور ہال میں داخل ہو گیا۔ اندھیرے گُھپ میں ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھا اور جو پہلی کُرسی ملی اُس پر اپنے کو دھنسا دیا۔ مشکل سے ایک گھنٹہ بیٹھا اور فلم ادھوری چھوڑ کر چلا آیا۔ یہ ایک امریکی فلم تھی۔ مقصد یہ تھا کہ دیکھوں یہاں فلموں کا انداز کیا ہے۔ وہی مار دھاڑ، عریانی اور جاسوسی کا مرکب تھی۔ بس اندازہ ہو گیا۔ اب وقت خراب کرنے سے کیا فائدہ تھا۔ باہر نکل کر ایک دُکان میں داخل ہوا۔ ریشمی کپڑے، ملائم، خوب صورت ڈیزائن اور لمبے عرض کے کپڑے۔ کیا کہنے۔ اصلی ریشم کا کپڑا اب کہاں دیکھنے میں آتا ہے۔ مصنوعی ریشے نے اصلی ریشے کی جگہ لے لی ہے۔ نائلون، ٹیرون اور پولیسٹر کی حکومت ہے۔ مگر اصلی ریشمی

نوتر دام کا ایک حصّہ

کپڑے کے دام؟ بس یوں سمجھیے کہ پاکستانی رُپے کے لحاظ سے کوئی کپڑا بارہ تیرہ سو رُپے میٹر سے کم نہ تھا۔ سفر میں اتنے پیسے خرچ کرنے کی سکت کہاں ہوتی ہے۔

شانزایلزے اور پیرس کے دوسرے بازار، گلی کوچے، مکانات اور دفتر دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ صفائی ستھرائی کا اتنا خیال کیوں رکھتے ہیں کہ دھول مٹی کا نام و نشان تک مٹا دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی ساری دھول پاکستان برآمد کر دی گئی ہے اور یہاں پھول ہی پھول رہ گئے ہیں۔ پیرس میں پیدل بھی خوب گھوما پھرا، لیکن ایک دن بھی جوتے پر پالش کی ضرورت نہیں پڑی۔ اتنی صاف شفاف سڑکوں اور گلیوں میں جوتے کا پالش کیوں خراب ہوتا۔

وقت کم تھا، بہت کم، پیرس بہت بڑا شہر ہے اور یہاں بے شمار چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ تھوڑے سے دِنوں میں جتنا دیکھ سکتا تھا دیکھا۔ فرانس کے لوگ بہت زندہ دل اور شگفتہ مزاج ہوتے ہیں۔ زندگی کو پوری دِل چسپی کے ساتھ برتتے ہیں۔ ان کو اپنی تہذیب جان سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ بڑے شوقین لوگ ہیں۔ ہر شوق کو وہ انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ جو چیز بھی بناتے ہیں بڑی محنت اور محبت سے بناتے ہیں اور اس میں کسی خامی کا امکان نہیں چھوڑتے۔ ان کا دعوا یہ ہے کہ یورپ کی موجودہ قوموں میں ان کی قوم سب سے قدیم ہے۔

سفر کے دوران غور کرتا رہا کہ یہ لوگ ویسے تو اتنے مہذب، معتدل اور شائستہ ہیں۔ ذاتی طور پر نہایت منکسر المزاج اور پُر امن، لیکن اس کے باوجود اپنے دفاع کے نام پر ایک سے ایک مہلک ہتھیار بنانے میں اپنی ساری سائنس صَرف کر ڈالتے ہیں۔ ہر ترقی یافتہ اور امیر ملک اربوں ڈالر فوج اور فوجی ساز و سامان پر خرچ کرتا ہے۔ کہتا یہ ہے کہ دوسری طاقتوں کی جارحیت اور خباثت کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ ایک ایٹمی تجربے پر جتنی دولت خرچ کی جاتی ہے اس سے نہ معلوم کتنے تعلیمی ادارے اور کتنے ہسپتال کھولے جا سکتے ہیں۔ معلوم نہیں انسان کو کب انسان کی قدر آئے گی۔

۱۱۔ ستمبر ۸۲ء کو صبح ۹ بجے سوئس ائیر کے ہوائی جہاز میں چارلس ڈیگال ائیر پورٹ سے روانہ ہوا۔ راستے میں زیورخ پر ہوائی جہاز بدلا۔ دو گھنٹے رُک کر فرانس کے وقت کے مطابق ۹ بجے اور پاکستان کے وقت کے مطابق رات ۱۲ بجے کراچی اُترا۔ پاکستان آ گیا۔ اپنا وطن پیارا پاکستان۔

(ختم شد)

چالاک خرگوش

کرشن چندر

لو صاحب، نئی سلسلے وار کہانی شروع ہو رہی ہے۔ "چالاک خرگوش" کا پہلا ٹکڑا حاضر ہے۔ یہ اردو کے مشہور ادیب اور افسانہ نگار کرشن چندر کی لکھی ہوئی ہے۔ آپ نے کرشن چندر کا نام ضرور سنا ہوگا۔ ان کے افسانے اور ناول بہت مقبول تھے اور ہیں۔ انھوں نے بچّوں کے لیے بھی بہت اچھی اچھی چیزیں لکھی ہیں۔ اگرچہ اب کرشن جی اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ان کا ۱۹۷۷ء میں انتقال ہوگیا تھا۔ لیکن ان کی لکھی ہوئی چیزیں آج بھی اتنی ہی دل چسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ اردو کے چند بڑے افسانہ نگاروں میں ان کا نام شامل ہے۔ "چالاک خرگوش" کرشن جی سے ہم نے خاص طور پر ہمدرد نونہال کے لیے لکھوائی تھی اور انھوں نے بڑی محبّت سے لکھی تھی اور یہ قسط وار مئی ۱۹۵۷ء سے مئی ۱۹۵۸ء تک شائع ہوئی تھی۔ یہ جتنی پُر لطف، مزے دار اور سبق آموز اُس وقت تھی اتنی ہی آج بھی ہے اور پھر ہو بھی تو گئے ۲۵ سال سے زیادہ۔ تمھارے لیے تو یہ یوں بھی نئی ہے۔ اس میں کرشن چندر نے جانوروں کی زبان سے بہت سی ایسی باتیں بھی کہلوائی ہیں جو انسانوں کے تجربے میں بھی آتی ہیں۔ جانور بھی انسانوں کی طرح آپس میں ملتے ہیں، لڑتے ہیں، ایک دوسرے سے جلتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔ اُن کو غصّہ بھی آتا ہے اور وہ پیار بھی کرتے ہیں۔ غرض ہم جانوروں کے آئینے میں اپنے معاشرے کو سمجھ سکتے ہیں۔ (ادارہ)

ایک زمانہ تھا جب خرگوش اور لومڑ آپس میں گہرے دوست تھے۔ ایک دوسرے پر جان دیتے تھے اور ہر وقت اکٹھے رہتے تھے۔ کھاتے، پیتے، شکار کھیلتے، مچھلیاں پکڑتے، غرض کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوتے تھے۔

یہ اسی زمانے کی بات ہے۔ ایک دن خرگوش اور لومڑ شکار کھیلتے کھیلتے تھک کر دریا کے کنارے لکڑی کے ایک شہتیر پر بیٹھ گئے اور سستانے لگے اور باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں پانی کی سطح پر ایک

بڑی خوب صورت سی مچھلی اُبھری اور ڈبکی لگا کر نیچے نیچے یوں تیرنے لگی کہ ہر وقت اُن دونوں کو نظر آتی رہے۔

لومڑ نے کہا، "بھیّا خرگوش، وہ دیکھو کتنی عمدہ مچھلی ہے۔" خرگوش کو مچھلی شروع ہی سے پسند تھی۔ اُسے مچھلی پکڑنے کا بہت شوق تھا۔ اُس نے جب اس مچھلی کو دیکھا تو اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا کانٹے اور دھاگے کے لیے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹٹول ٹٹول کر اس نے جیب سے ایک کانٹا نکالا اور کہا، "کانٹا تو ہے، لیکن دھاگا نہیں۔ اب اس کانٹے کو باندھیں کس سے؟ اور کیسے اس دریا میں پھینکیں؟" لومڑ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں۔ اس نے لپک کر ایک درخت کی چھال اُتاری، مگر وہ بھی بیچ میں ٹوٹ گئی۔ اب کیا کیا جائے۔

اتنے میں لومڑ کی نظر خرگوش کی دُم پر گئی۔ اس زمانے میں خرگوش کی دُم بہت لمبی ہوا کرتی تھی۔ بہت لمبی اور بہت خوب صورت۔ لومڑ دل ہی دل میں اس بات سے جلتا تھا کہ خرگوش کی دُم اس قدر لمبی کیوں ہے۔ اب جو اس کی نظر خرگوش کی دُم پر پڑی تو اس نے اس سے چلّا کر کہا، "ارے کیا

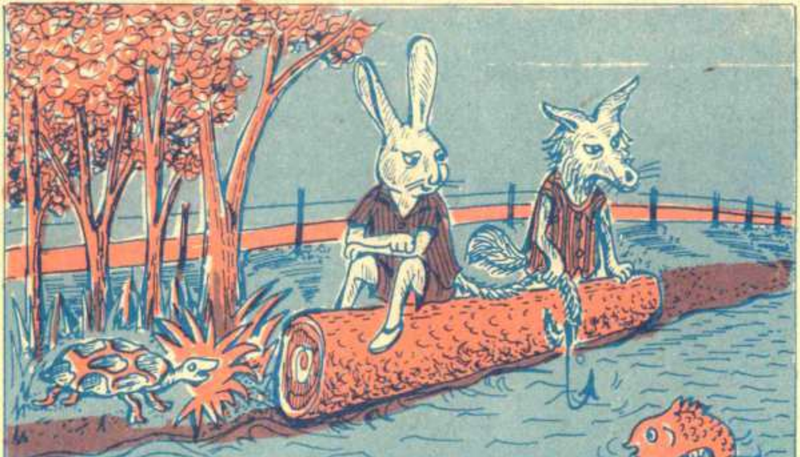

خرگوش اپنی دُم سے کانٹا بندھوانے کے بعد ندی کے کنارے بیٹھ گیا۔

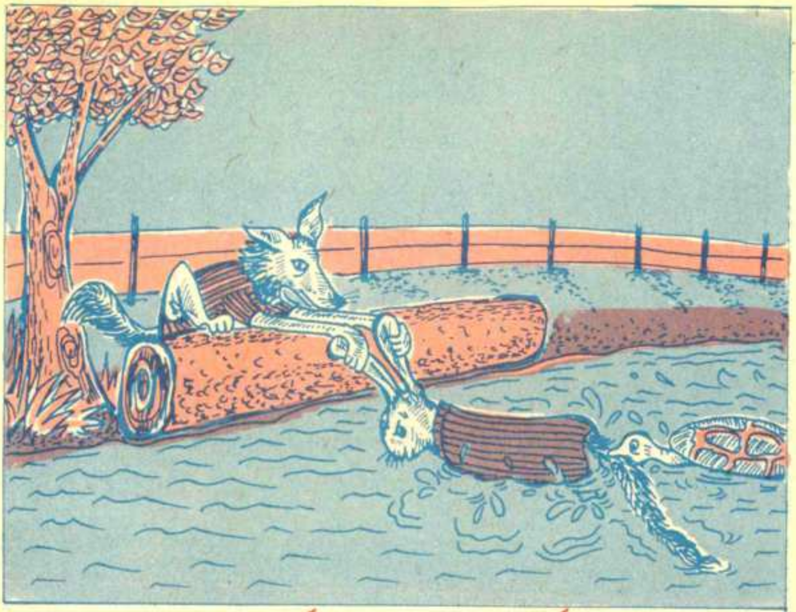

"کھینچو بھائی لومڑ، زور سے میرے کان کھینچو۔"

کیا جائے۔ بہت آسان ترکیب ہے۔ تم یہ کانٹا اپنی دُم سے باندھ لو اور دریا کے کنارے بیٹھ جاؤ اور دُم کو پانی میں ڈال دو۔ کانٹا مچھلی نگل لے گی۔ تم زور لگا کر دُم کو باہر نکال لینا۔ اگر مچھلی بڑی ہوئی تو میں بھی زور لگاؤں گا۔ بس مزے میں مچھلیاں پکڑ لیں گے۔ دھڑا دھڑ!" مگر خرگوش کو اپنی خوب صورت دُم بہت پیاری تھی، اس لیے بولا، "میری دُم کیوں؟ تمھاری دُم میں کیوں نہ یہ کانٹا باندھیں؟"

"میری دُم تمھاری دُم سے بہت چھوٹی ہے۔" لومڑ نے جواب دیا، "مچھلی نہیں پھنسے گی۔"

"آج صبح ہی میری بیوی نے میری دُم میں کنگھی کی ہے۔" خرگوش افسردگی سے بولا، "دریا میں ڈالنے سے دُم کے بال یقیناً اُلجھ جائیں گے اور بیوی خفا ہو گی۔" اس طرح وہ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے کہ کون اپنی دُم سے کانٹا باندھے۔ مچھلی دریا میں اُن کے سامنے گھومتی رہی اور اُن دونوں کی بھوک تیز ہوتی گئی۔

آخر خرگوش سے رہا نہ گیا۔ اُس نے کہا، "ایک شرط پر تم میری دُم سے کانٹا باندھ سکتے ہو؟"

"کیا؟"

"سب سے بڑی مچھلی میں لوں گا۔"

"منظور ہے۔" لومڑ نے جواب دیا۔
خیر صاحب، لومڑ نے خرگوش کی دُم میں کانٹا باندھا۔ خرگوش جو اتنا سمجھ دار جانور تھا اس وقت بالکل ہی بھول گیا کہ دریا میں مچھلی کے علاوہ کچھوا بھی رہتا ہے، مگر کچھوے نے سب باتیں سُن لیں اور جب لومڑ خرگوش کی دُم میں کانٹا باندھ چکا تو خرگوش دریا کے کنارے بیٹھ گیا اور دُم اس نے پانی میں ڈال دی۔ اسی وقت جھٹ سے کچھوے نے دُم اپنے منھ میں لے لی۔
خرگوش زور سے چیخا، "مچھلی ہے!"
"زور لگاؤ۔" لومڑ بولا۔
خرگوش نے کہا، "زور تو لگاتا ہوں، مگر بہت بڑی مچھلی ہے شاید۔ مجھ اکیلے سے نہیں نکلے گی تم بھی زور لگاؤ۔"
لومڑ دوڑتا ہوا کنارے پر پہنچا۔ جب اس نے کچھوے کو دُم منھ میں دبائے دیکھا تو ہنس کر بولا، "واہ میاں خرگوش، یہ تو مچھلی نہیں ہے، کچھوا ہے اور تمھاری دُم۔ تمھاری خوب صورت دُم جس پر تم کو اتنا ناز تھا، اپنے منھ میں دبائے بیٹھا ہے۔"
"افوہ! اب یہ کم بخت کچھوا تو اُس وقت تک میری دُم نہ چھوڑے گا جب تک بادل نہ گرجیں گے۔" پھر وہ بڑی عاجزی سے لومڑ سے کہنے لگا، "بھیا لومڑ، گرجو، بادلوں کی طرح گرجو!"
"بھیا خرگوش، مجھے گرجنا کہاں آتا ہے۔ تم خود ہی گرجو نا!" لومڑ بڑی مکاری سے بولا۔
خرگوش نے گرجنے کی کوشش کی۔ گھن گھن گھن گھن۔ گرج گرج گرج!!!
"اور گرجو۔" لومڑ چلایا۔
گھن گھن گرج گرج۔ گھن گھن گھن گرج گرج گرج!!!
خرگوش نے پھر کوشش کی، مگر اب وہ کچھوے کے زور لگانے پر گلے تک پانی میں ڈوب چکا تھا۔
لومڑ نے بالکل کنارے پر آکر کہا، "میں بڑی مشکل سے تمھارے کانوں تک پہنچ سکتا ہوں۔"
تب خرگوش نے لومڑ سے التجا کی کہ وہ اسے کانوں ہی سے پکڑ لے۔ کسی طرح اس کی جان بچائے۔
لومڑ نے مسکرا کر خرگوش کے کان اپنے دانت سے پکڑ لیے اور انھیں پانی کے باہر کھینچنے لگا۔ کھینچنے سے کان لمبے ہوتے گئے۔
لومڑ نے کہا، "تم آ رہے ہو بھیا خرگوش، تم پانی سے باہر آ رہے ہو۔"
"کھینچو بھائی لومڑ، زور سے میرے کان کھینچو۔ میں نہیں آ رہا ہوں اوپر۔ بھیا لومڑ جی، یہ تو میرے کان

آرہے ہیں۔ کھینچو بھائی، زور سے کھینچو۔"
لومڑ نے سارا زور لگا کے خرگوش کو پانی سے باہر کھینچ لیا، مگر اس کش مکش میں خرگوش کی دُم پیٹھ کے قریب سے ٹوٹ گئی۔ جہاں کچھوا اسے اپنے منھ میں دبائے ہوئے تھا اور اس کے کان بھی کھینچ کر اتنے لمبے ہو گئے جتنے تم اسے آج کل دیکھتے ہو۔

جب خرگوش نے دیکھا کہ اس کی دُم ٹوٹ گئی ہے اور اس کے کان اس قدر لمبے ہو گئے ہیں تو اس نے غصّے سے لومڑ کی طرف دیکھ کر کہا، "دیکھا تمھاری وجہ سے میری کیا گت بنی؟"

مگر لومڑ ہنستا ہوا اپنے راستے پر چلا گیا۔ اُسے خرگوش کی دُم ٹوٹ جانے کا ذرا بھی غم نہ تھا۔

اس واقعے کے بہت دِنوں بعد تک خرگوش نے لومڑ سے کوئی بات نہ کی اور خرگوش نے لومڑ سے دوستی ترک کر دی، کیوں کہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں، جو آپ کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے ہیں، مگر موقع آنے پر دغا دے جاتے ہیں۔ جھوٹے دوستوں سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ اپنی خوب صورت دُم کے چلے جانے کا خرگوش کو بہت غم تھا اور پھر اس کے کانوں کو دیکھ کر جنگل

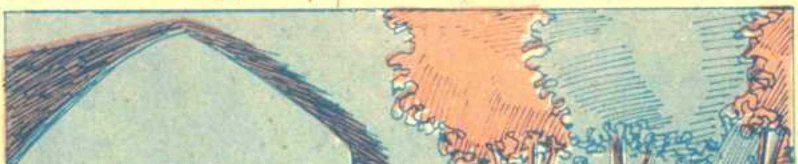

لومڑ نے جنگل کے جانوروں کی دعوت کی، لیکن خرگوش کو نہیں بُلایا۔

کا ہر جانور اس پر ہنستا تھا۔ اس لیے خرگوش کو لومڑ پر بہت غصہ آیا، مگر کیا کرتا۔ لومڑ اس سے بہت تگڑا تھا اور وہ ایک چھوٹا سا جانور تھا، کم زور اور بزدل۔ بدلا لے تو کس طرح لے۔ چُپ تو ہو رہا مگر دل ہی دل میں بدلا لینے کی ترکیب سوچتا رہا۔

ایک دفعہ کیا ہوا کہ لومڑ نے اپنے گھر پر جنگل کے کچھ جانوروں کی دعوت کی۔ اس دعوت پر اس نے بھیا ریچھ کو بُلایا اور بھیّاجی بھیڑیے کو اور بھائی گینڈے کو، لیکن اُس نے اس دعوت میں خرگوش کو نہیں بُلایا، مگر خرگوش کو اس دعوت کا پتا چل گیا اور اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ لومڑ نے جان بوجھ کر خرگوش کو نظر انداز کر دیا ہے۔ بہت اچھا یوں ہی سہی۔ خرگوش نے سوچا، میں بھی ایک چال چلتا ہوں۔ دیکھتا ہوں تمھاری دعوت کیسی رہتی ہے۔

دعوت کے روز تمام جانوروں کو بُلایا گیا۔ لومڑ کے گھر پر جمع ہوئے اور لومڑ نے انھیں بڑی عزّت سے اپنے گھر میں بٹھایا۔ عرصے تک سب جانور ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے اور ہنستے بولتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد لومڑ نے شربت کی بوتل نکالی اور اسے میز پر رکھتے ہوئے کہا:

"شروع کرو بھائی لوگو!"

جب سب لوگ کھا اور پی رہے تھے اور خوش ہو کے قہقہے لگا رہے تھے، میاں خرگوش اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔ میاں خرگوش نے ڈھونڈ ڈھونڈ کے کہیں سے ایک پرانا ڈھول اپنے گلے میں ڈال لیا۔ درخت سے دو شاخیں توڑیں اور زور زور سے ڈھول بجانے لگے اور لومڑ کے مکان کی طرف دوڑنے لگے:

ڈگر ڈم ڈم ڈگر ڈم ڈم ڈگر ڈم ڈم!

پہلے پہل تو جانوروں نے کوئی آواز نہ سُنی، کیوں کہ وہ خود بہت چلّا رہے تھے اور خرگوش بھی بہت دُور تھا۔ پھر جب یہ خوف ناک آواز قریب آ گئی تھی۔

ڈگر ڈم ڈم!

ڈگر ڈم ڈم!

تو سب سے پہلے بھیڑیے نے کہا، "اچھا بھائی لوگو، میں تو جاتا ہوں۔ بہت دیر ہو چکی ہے اور میری گھر والی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

یہ کہہ کے بھیڑیے نے اپنی ٹوپی اٹھائی اور پچھلے دروازے کی طرف چلا۔ اب باہر سے یہ خوف ناک

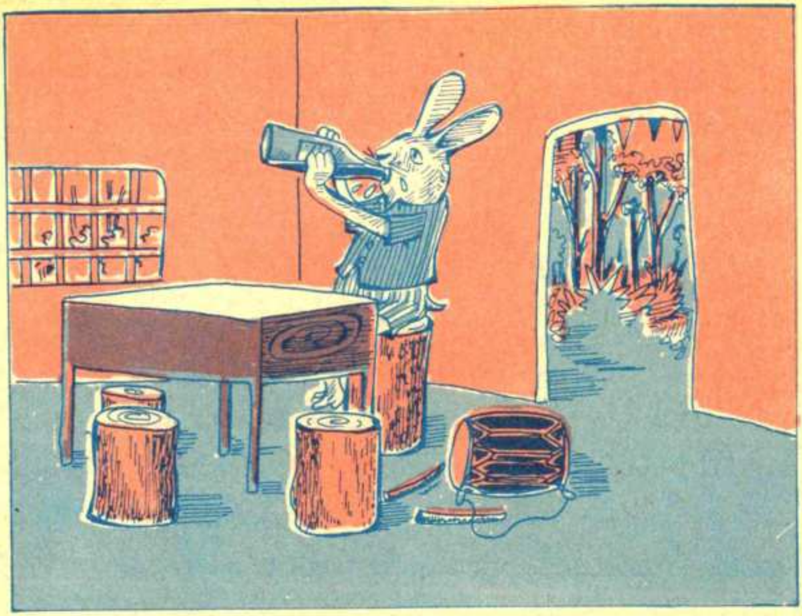

خرگوش نے لومڑ کے گھر میں شربت دیکھتے ہی پینا شروع کر دیا۔

آواز زور زور سے سُنائی دے رہی تھی اور قریب سے قریب تیز ہوتی جاتی تھی۔ بھیڑیے کے باہر نکلتے ہی دوسرے جانور بھی کھسک گئے۔ ان سب میں سے لومڑ سب سے آگے تھا۔ کئی جانور لومڑ کے گھر سے باہر نکل کے پچھلے دروازے سے ہو کر جھاڑیوں میں دبک گئے۔ جب خرگوش لومڑ کے گھر پہنچا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے آواز دے کر کہا، "کوئی ہے؟"

پھر خود ہی اس نے جواب دے کر کہا، "بھلا کون ہوگا اس وقت؟"

پھر خرگوش نے زور زور سے ڈھول بجایا اور زور سے قہقہہ لگایا اور وہ گھر کے اندر داخل ہوا اور بولا، "کہاں ہو بچّہ لومڑ، سامنے تو آؤ۔"

مگر کوئی نہ بولا۔

تھوڑی دیر کے بعد خرگوش کی نظر شربت کی بوتل پر پڑی۔ اس نے ڈھول گلے سے اُتار کر زمین پر رکھا اور کہنے لگا، "تھوڑا سا شربت پی لیں تو کیا حرج ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد خرگوش نے ایک گلاس میں تھوڑا سا شربت انڈیلا۔ پھر تھوڑا سا اور انڈیلا۔ اس

طرح تھوڑا تھوڑا کرکے وہ بہت سا شربت پی گیا۔ اس عرصے میں جنگل کے جانور جو باہر جھاڑیوں میں دبکے ہوئے تھے، یہ سوچ رہے تھے کہ وہ خوف ناک آواز اگر اور قریب آتی ہوئی معلوم ہوئی تو وہ فوراً بھاگ جائیں گے، مگر ایک عرصے تک گھر کے اندر سے کوئی آواز سُنائی نہ دی۔ اس پر جانوروں نے سوچا، کیا بات ہے۔ وہ خوف ناک آواز کدھر چلی گئی۔

لومڑ نے کہا، "میں دھیرے سے اندر جھانک کے دیکھتا ہوں۔"

ریچھ نے کہا، "چلو میں بھی چل کے دیکھتا ہوں۔"

بھیڑیا بھی تیار ہو گیا۔ ہوتے ہوتے جنگل کے دوسرے جانور بھی ہمت کرکے گھر کی طرف دھیرے دھیرے گھٹنوں کے بل چلنے لگے۔ اندر جاکے کیا دیکھتے ہیں کہ میز پر شربت کی بوتل خالی پڑی ہے اور خرگوش بستر پر سویا ہوا زور زور سے خراٹے لے رہا ہے۔ لومڑ خرگوش کو سوئے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے جاتے ہی خرگوش کو دبوچ کر کہا، "میاں خرگوش، اٹھو بہت سو چکے، اور یہ تمھارا ڈھول بھی ہم نے دیکھ لیا ہے۔ جس سے تم نے ہمیں ڈرا دیا تھا۔"

خرگوش چونک کر اُٹھا اور بھاگنے کی کوشش کرنے لگا، مگر اب بھاگنا بے کار تھا۔ جنگل کے بڑے بڑے خوں خوار جانور اس کے سامنے کھڑے تھے اور غصّے میں کہہ رہے تھے:

"تم نے ہمیں اُلّو بنایا۔ ہماری بے عزتی کی۔"

"اسے سزا دینی چاہیے۔" بھیڑیے نے غُرّا کر کہا۔

"اس کی سزا یہی ہے کہ اسے دریا میں ڈبو دیا جائے۔" بچّا ریچھ بولے۔ ریچھ کو ان دنوں جنگل میں جج کا درجہ حاصل تھا۔ جو وہ فیصلہ کرتے تھے اس پر عمل ہوتا تھا۔ چناں چہ جانور خرگوش کو پکڑ کر دریا میں ڈبونے لے چلے۔ خرگوش چلّانے لگا، "مجھے مت مارو، مجھے مت دریا میں پھینکو۔ ارے مجھے تو تیرنا بھی نہیں آتا۔"

"ہا ہا ہا!" ریچھ بولا، "جب ہی تو تمھیں دریا میں پھینک رہے ہیں۔"

"ہائے، مگر مجھے ایک سونٹی تو دے دو۔ میں کیسے ایک دم ڈوب جاؤں گا، ظالموں ایک سونٹی تو دے دو، جس کے سہارے میں آہستہ آہستہ دریا کی تہ میں ڈوب جاؤں گا۔"

ہاں! ہاں!" لومڑ نے کہا، "اسے ایک چھڑی ضرور دے دینی چاہیے، یہ کم بخت ایک دم سے ڈوب جائے گا تو مزا بھی نہیں آئے گا۔"

یہ تو میں بھی چاہتا ہوں، کس بات میں مزا آئے گا اور کس بات میں نہیں آئے گا۔ خرگوش نے اپنے دل میں کہا، مگر اس وقت سب جانور بپھرے ہوئے تھے۔ اس لیے اس کی کچھ کہنے کی ہمّت نہیں پڑی، چُپ ہو رہا، مگر جب دریا کے کنارے پر سب جانور پہنچے اور جب جانوروں نے اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چھڑی بھی تھما دی تو خرگوش پھر چلّانے لگا، "ارے ظالمو! مجھے منجھدار میں مت پھینکو۔ مجھے دریا کے بیچوں بیچ مت پھینکو، مجھے منجھدار سے بڑا ڈر لگتا ہے، وہاں پانی سب سے گہرا ہے۔"

ریچھ نے اپنی ناک پر چشمہ درست کرتے ہوئے کہا، "اس کو وہیں پھینکو۔ دریا کے عین بیچ میں۔"

خرگوش کو ایک طرف سے بھیڑیے نے دوسری طرف سے لومڑ نے پکڑ لیا اور اسے جُھلانے لگے۔

ریچھ نے کہا:

ایک ..... دو ..... تین .....

تین کی آواز پر اُن ظالم جانوروں نے بے چارے خرگوش کو عین دریا کے بیچ میں پھینک دیا اور خرگوش کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر خوش ہونے کے لیے تیار ہو بیٹھے، مگر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

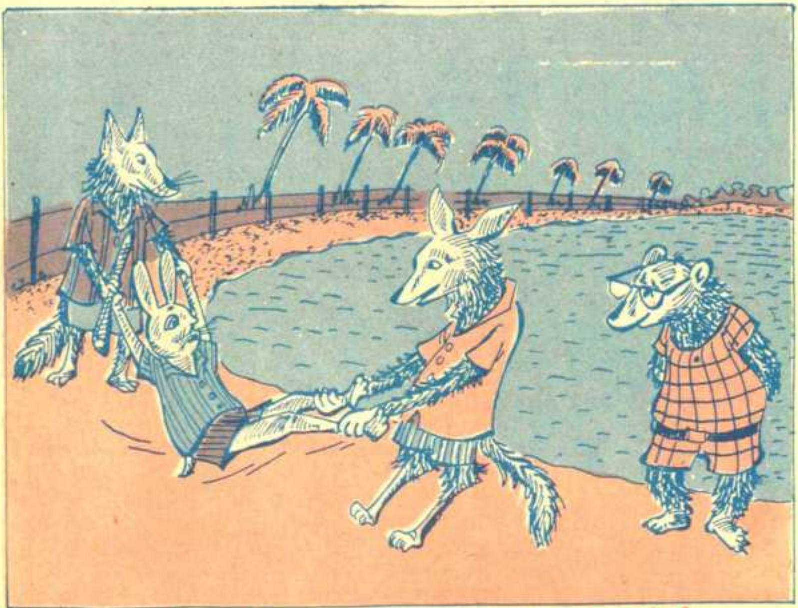

خرگوش کو ایک طرف سے بھیڑیے اور دوسری طرف سے لومڑ نے پکڑا اور جھولانا شروع کر دیا۔

لومڑ اور بھیڑیے نے دیکھا کہ خرگوش چھڑی کے سہارے دوسرے کنارے جا رہا ہے۔

جب انھوں نے دیکھا کہ عین دریا کے بیچ میں گر کر خرگوش اُٹھ بیٹھا اور چھڑی کے سہارے دوسرے کنارے جانے لگا۔ جب خرگوش دوسرے کنارے پہنچ گیا تو اس نے زور سے چلاّ کے کہا، "دریا کے بیچ میں پھینکنے کا بہت بہت شکریہ، کیوں کہ اس جگہ دریا کا پانی سب سے کم گہرا ہے۔ پھر اس چھڑی کا بھی بہت بہت شکریہ، ورنہ میں دوسرے کنارے کیسے آسکتا تھا۔ بھائی لومڑ، دعوت کا بہت بہت شکریہ۔ کھانا بہت عمدہ تھا۔"

خرگوش کی جان بچ گئی، مگر اسے بڑا سبق ملا۔ اسے دل میں خالہ چُنّی مُنّی کی نصیحت یاد آئی اور اس نے اپنے آپ سے کہا، "دشمن کے گھر میں سونا بہت بڑی بات ہے۔ جہاں دشمن موجود ہوں وہاں ہر طرح سے آنکھیں کھول کر چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔"

دوسری بات یہ ہے کہ آدمی اگر کم زور اور غریب ہو تو قانون بھی اس کی مدد نہیں کرتا۔ اکثر قانون بھی طاقت ور اور ہوشیار لوگوں کا طرف دار ہوتا ہے۔ خالہ چُنّی مُنّی نے سچ کہا تھا کہ زندگی کے تجربے سے بہت عمدہ سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔

لمبی ناک والا

یہ آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے۔ چین کے کسی علاقے میں ایک ٹینگو (بدروح) رہتا تھا، جس کا نام چیرا ایجو تھا۔ اس کی بڑی لمبی ناک تھی، جو ہر وقت سرخ رہتی تھی۔ اگرچہ یہ ایک عام آدمی کی طرح رہتا تھا، لیکن اس کے پاس جادوئی طاقت تھی۔ اس کی پشت پر دو بڑے پَر بھی تھے، جن کی وجہ سے وہ پرندوں کی طرح فضاؤں میں پرواز بھی کر سکتا تھا اور چند لمحوں میں یہاں سے وہاں اُڑ کر جا سکتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ اُسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چیرا ایجو فضا میں اُڑ رہا تھا۔ وہ سمندروں اور پہاڑوں پر سے اُڑتا ہوا جاپان پہنچ گیا اور وہاں پہاڑ ہائی پر اُترا جہاں اس کی ملاقات جاپانی ٹینگو جیرو بو سے ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے کہ چیرا ایجو شیخی بگھارتے ہوئے کہنے لگا:

"میرے ملک میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو میرے جادو کو زیر کر سکے، یہاں تک کہ بڑا پجاری، جو بہت بڑا جادوگر ہے وہ بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

جیرو بو نے اس کی یہ بات سُنی تو دِل ہی دِل میں سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے اس کے پاس جادو کی ایسی ہی طاقت ہو۔ یقیناً یہ ایسا ہی ہو گا جیسا اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے۔ اِدھر جیرو بو یہ سوچ رہا تھا اور دوسری طرف چیرا ایجو اپنی غیر معمولی مافوق الفطرت طاقت کے بارے میں ڈینگیں مار رہا تھا۔ جب وہ فخریہ انداز میں اپنی تعریفیں کر رہا تھا، اس وقت اس کی لمبی سرخ ناک بار بار لہرا رہی تھی۔ اس کی بات سُن کر جیرو بو اس کی تعریف کرتے ہوئے بولا "میں نے بھی تمھارے بارے میں بہت کچھ سُنا ہے، لیکن میں نہیں جانتا کہ واقعی تم ایسے ہی ہو جیسا بیان کر رہے ہو۔"

جب جیرو بو نے یہ جملہ کہا تو چیرا ایجو اور بھی تن کر بیٹھ گیا اور بڑے فخر سے کہنے لگا، "میں کیا ہوں اور میری طاقت کتنی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہو کہ جاپان کے سارے جادوگر پجاری میرے آگے ہیچ ہیں۔ ان میں کوئی بھی میرا ہم پلّہ نہیں ہے۔"

اتنی بات کہہ کر اس نے جاپانی ٹینگو جیرو بو کی طرف دیکھا اور فخریہ انداز میں بولا: "میرے دوست جیرو بو، اگر تم نے میرا جادو اب تک نہیں دیکھا تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمھیں میں اپنی طاقت دکھاؤں؟ آؤ میرے ساتھ، میں تمھیں اپنے جادو کی طاقت دکھاتا ہوں۔"

جیسے ہی چیرا ایجو نے یہ کہا جیرو بو اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور وہ دونوں چلتے ہوئے پہاڑ ہائی کے مصروف علاقے میں آ گئے۔ یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ چیرا ایجو کسی راہ چلتے آدمی پر جادو

کر کے جیرو لبو کو اپنا کمال دکھائے۔ جیرو لبو چوں کہ اس علاقے میں مشہور تھا اس لیے وہ ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے۔ اس نے چیرا ایجو سے کہا، "میں درخت کی اوٹ میں چھپ کر دیکھتا ہوں۔"

جواب میں چیرا ایجو تن کر کھڑا ہو گیا اور کہا، "لو پھر دیکھو، میں کیا جادو دکھاتا ہوں۔"

اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ جلدی سے ایک بوڑھے بدھ پجاری کے روپ میں بدل گیا۔ یہ روپ اختیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کسی ایسے آدمی کا انتظار کرے جس کو وہ اپنا شکار بنا سکے۔ وہ تھوڑی دیر تک وہاں کھڑا کسی آنے والے کا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے ایک آدمی اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ یہ شخص کوئی عام آدمی نہیں تھا، بلکہ ایک مشہور پجاری تھا، جس کا نام یوکٹی تھا۔

"لو وہ آیا۔"

جیسے ہی جیرو لبو نے اسے دیکھا وہ چیرا ایجو کو مخاطب کرتے ہوئے زور سے چلّایا اور دیکھنے لگا کہ چیرا ایجو اس پر کیا جادو کرتا ہے۔ وہ بھی دیکھنے کے انتظار میں کھڑا تھا اور لمحہ بہ لمحہ وہ آدمی قریب آتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ بالکل قریب آگیا، لیکن اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ یوکٹی پجاری اسی طرح اپنے دھیان میں چلتا ہوا وہاں سے آگے نکل گیا۔ یہ دیکھ کر جیرو لبو بہت حیران ہوا اور پوچھنے لگا، "دوست چیرا ایجو، تمھارے جادو کا کیا ہوا؟ پجاری تو آگے نکل گیا۔"

مگر اُس کو کوئی جواب نہ ملا۔ اسے اور بھی تعجب ہوا۔ اُس نے درخت کی اوٹ میں سے سَر نکال کر نظر دوڑائی تو ہکّا بکّا رہ گیا۔ وہاں چیرا ایجو کا کہیں اَتا پتا نہیں تھا۔ وہ درخت کی اوٹ سے نکل آیا۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو دیکھا دُور وادی میں چینی ٹینگو ایک بڑے درخت پر لٹکا ہوا جھول رہا ہے۔ جیرو لبو نے اسے اس عالم میں دیکھا تو پکار کر پوچھنے لگا، "میرے دوست چیرا ایجو، تم وہاں درخت پر لٹکے ہوئے کیا کر رہے ہو؟"

جواب میں درخت پر لٹکے لٹکے چیرا ایجو نے کہا، "دوست جیرو لبو، مجھے بتاؤ یہ شخص کون تھا؟"

"یہ اِن پہاڑوں کا مشہور پجاری ہے اور اس کا نام یوکٹی ہے۔ مجھے اُمید ہے تم نے درخت پر چکر کھاتے ہوئے اس کا اندازہ کر لیا ہو گا؟"

جب اس نے یہ کہا تو چیرا ایجو بڑبڑانے کے انداز میں بولا، "اف میرے خدا، اس نے مجھے شکست دے دی ہے۔ جب میں نے اسے آتے ہوئے دیکھا تھا تو میں یہ سوچ کر خوش تھا کہ

میرا شکار آرہا ہے، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ایک بہت بڑے شعلے میں تبدیل ہو گیا اور میرے قریب آ گیا۔ اس نے مجھ پر آگ کا جادو ایسے پھینکا کہ میں جل گیا۔"

جس وقت وہ یہ بات کہہ رہا تھا، اس کی آواز میں خوف جھلک رہا تھا۔ اس پر جیرو بو نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا، "کوئی بات نہیں، حوصلہ مت ہارو اور اپنا جادو دکھانے کی دوبارہ کوشش کرو۔"

چیرا ایجو درخت سے اُتر آیا اور پھر اس نے بوڑھے پجاری کا روپ دھار لیا۔ جیرو بو پھر ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا اور چیرا ایجو بوڑھے بدھ پجاری کی شکل میں راستے میں کھڑا ہو گیا تاکہ کسی دوسرے آدمی پر جادو کر کے اپنا کمال دکھائے۔ اسے وہاں کھڑے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ یہ آدمی بھی بڑے درجے کا پجاری تھا جس کا نام جن زین تھا۔ یہ ایک پالکی نما گاڑی میں سوار تھا جسے ایک خدمت گار لڑکا کھینچتے ہوئے لا رہا تھا جس نے ہاتھ میں چھڑی پکڑ رکھی تھی۔ چیرا ایجو اپنے دوسرے شکار کو آتا ہوا دیکھ کر دل میں خوش ہو رہا تھا اور منتظر تھا کہ جیسے ہی وہ قریب پہنچے اس پر اپنا جادو کرے، مگر جب

وہ قریب پہنچا تو پالکی گاڑی کھینچنے والے خدمت گار لڑکے نے اس کی طرف دیکھا اور ڈانٹ کر بولا:

"او بدتمیز آدمی، آگے سے ہٹو۔"

اُس کا اتنا کہنا کافی تھا۔ جیسے ہی اس نے یہ کہا ایک بار پھر مغرور چیرا ایجو ہوا میں اُچھلا اور دُور فاصلے پر جا گِرا۔ پالکی گاڑی میں سوار پجاری جس طرح آیا تھا اسی طرح آگے بڑھ گیا اور اسے کچھ بھی نہ ہو سکا۔"

"پیارے دوست چیرا ایجو! تمھیں پھر شکست ہو گئی۔"

جیرو بو نے چیرا ایجو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس پر چیرا ایجو اپنی جگہ حیران و پریشان ہو کر کہنے لگا، "سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آج میرے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ میرے جادو کو کیا ہو گیا ہے۔"

چینی ٹینگو اس قدر ضدی تھا کہ ابھی تک اپنی شکست تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ وہ پوچھنے لگا، "یہ پالکی گاڑی میں کون سوار تھا؟"

جواب میں جیرو بو نے بتایا، "یہ بھی ایک مشہور بُدھ پجاری تھا جس کا نام جن زین ہے۔"

یہ سُن کر چیرا ایجو آہستہ سے بولا، "یہ پجاری جو پالکی میں خود کو سویا ہوا ظاہر کر رہا تھا دراصل عبادت میں مصروف تھا۔ بہرصورت اس کا خدمت گار بھی بڑا طاقت ور تھا اور آگ کے دیوتا کا ماننے والا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میرا جادو اُن پر نہیں چل سکا۔"

اتنا کہہ کر اس نے جیرو بو کی طرف دیکھا اور بڑی ڈِھٹائی سے کہنے لگا، "میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ اس کے بعد جو آئے گا میں اسے ضرور شکار بنا لوں گا۔"

"ٹھیک ہے، تم یہ بھی کر دیکھو۔" جیرا بو نے کہا۔

اور وہ دونوں پھر کسی نئے آنے والے کا انتظار کرنے لگے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوتی تھی کہ اتنے میں ایک جلوس آتا دکھائی دیا۔ یہ جلوس پہاڑ ہائی پر واقع انیر یاکوجی مندر کے بڑے پجاری جیکیٹی کا تھا۔ بڑا پجاری اپنے عقیدت مندوں کے ہجوم میں گھرا ہوا چلا آرہا تھا۔ وہ پالکی گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا اور لوگ گاڑی کھینچتے ہوئے لا رہے تھے۔ یہ بڑا پجاری جاپان میں بڑی معتبر، قابلِ احترام اور علمی شخصیت تھی۔ جیسے ہی جیرو بو نے اس کا جلوس دیکھا وہ جلدی سے درخت کی

اوٹ میں چھپ گیا اور جیرا ایجو بھی چوکنّا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اِدھر جلوس آہستہ آہستہ ان کے قریب آ رہا تھا اور پھر جونہی لوگ اس کے پاس پہنچے ایک عجیب بات ہوئی۔ آناً فاناً پانچ آدمی ظاہر ہوئے، جو غصّے سے بھرے ہوئے تھے۔ جلوس کے لوگ حیران تھے کہ یہ آدمی اچانک کہاں سے آ گئے۔ ان پانچوں کے ہاتھوں میں چھڑیاں تھیں اور انھوں نے آتے ہی ایک دوسرے کو خبردار کرتے ہوئے کہا، "ہوشیار ہو جاؤ۔ یہاں کہیں ایک ٹینگو گھات میں بیٹھا ہوا ہے جو ہمارے آقا کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس پر نظر رکھو اور اسے سزا دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اتنا کہنے کے ساتھ ہی ان پانچوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ جیسے ہی ان کی نظر جیرا ایجو پر پڑی وہ سب کے سب تیزی سے اس کی طرف لپکے۔ یہ سب کچھ اس قدر جلدی میں ہوا کہ جیرا ایجو کو وہاں سے بھاگنے تک کا وقت نہ مل سکا۔ اس نے کوشش تو کی، مگر اس سے پہلے کہ وہ فرار ہوتا اُسے ان پانچ آدمیوں نے پکڑ لیا۔

انھوں نے اسے چھڑیوں سے اندھا دھند پیٹنا شروع کر دیا۔ جب وہ پیٹ پیٹ کر لہولہان کر چکے تو انھوں نے اُسے اٹھا کر اس طرح دُور پھینک دیا جیسے سوکھا پتا ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ اس کے بعد جلوس جیسے آیا تھا اسی طرح وہاں سے گزر گیا۔

"اوہ میں مَر گیا، مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ!"

جیرا ایجو چیخ چیخ کر مدد کے لیے پکارنے لگا۔ اور پھر جب جیرو بو اس کے پاس آیا تو وہ بڑبڑاتے اور ہانپتے کانپتے کہنے لگا، "اس مذہبی پیشوا نے یقیناً کوئی دُعا پڑھی ہے۔ اس کے پانچ طاقت ور مُحافظ مہاتما بدھ کے ماننے والے جہاں گشت ہیں۔ انھوں نے مجھے اس قدر مارا ہے کہ میری ہڈیاں تک چُور ہو گئی ہیں۔ اوہ میں درد سے مَرا جا رہا ہوں۔"

وہ پھر درد سے کراہنے لگا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر جیرو بو ہنستے ہوئے بولا، "تم نے اپنی یہ دُرگت خود بنوائی ہے۔ نہ تم اس طرح شیخی بگھارتے اور نہ تمھاری اس طرح بے عزّتی ہوتی، پھر بھی تم خوش قسمت ہو کہ تمھاری لمبی ناک بچ گئی ورنہ تم اس سے بھی محروم ہو جاتے جو تمھاری پہچان ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد جاپان میں کسی جگہ ایک معدنی چشمے پر دو ٹینگو دیکھے گئے۔ ہمیں یقین ہے یہ جیرا ایجو اور جیرو بو ہوں گے جو یقیناً وہاں علاج کے لیے آتے ہوں گے۔

سَر کے بال کھڑے رہتے ہیں

س: میرے سَر کے بال کھڑے رہتے ہیں۔ برائے مہربانی کوئی موثر علاج بتائیں؟

مرزا محمد ظفر اقبال، فیصل آباد

ج: یہ کون سا مرض ہے! بال کھڑے ہیں تو ان کو کھڑا رہنے دیں بلکہ ان کی تعریف کریں کہ وہ شاید آپ سے زیادہ مستعد ہیں۔ زمانے کے حالات کو آج کا انسان نہیں دیکھ رہا ہے۔ غنیمت ہے کہ آپ کے بال آپ کے سَر پر سوار ہو کر حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لے رہے ہیں! ان کو بٹھانے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔

کان میں درد

س: میری باجی کی عمر تقریباً ۱۴ سال ہے۔ اُن کے کان میں ڈیڑھ سال سے درد رہتا ہے اور زرد رنگ کا پانی بھی نکلتا ہے۔ بعض دفعہ کان میں چھوٹے چھوٹے بہت سے دانے نکل آتے ہیں۔ بہت علاج کروایا، مگر افاقہ نہیں ہوا۔

محمد عبدالقیوم، سیال کوٹ

ج: بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ کان کی یہ تکلیف گہری ہو گئی ہے اور ہڈی تک اس کا اثر پہنچ گیا ہے۔ اچھا تو یہی ہے کہ باجی کا کان کسی اچھے ماہر کو دکھائیے اور ان کی ہدایات پر عمل کیجیے۔ "روغن گوش سُرخ" ایک مفید تیل ہے۔ کسی طبیب کے مشورے سے اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سر میں درد

س: میں جب بھی کتاب وغیرہ کے مطالعے کے بعد اُٹھتا ہوں تو میرے سَر میں درد ہونا شروع ہو

جاتا ہے اور سَر چکرانے لگتا ہے۔
ناصر وقار بلوچ، پسنی بلوچستان

ج میں اس سے بڑا خوش ہوا کہ آپ انہماک کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کی نگاہ کم زور ہے۔ ممکن ہے کہ پیدائشی کم زوری ہو۔ مناسب ہو گا کہ کسی ماہرِ چشم سے مشورہ کر کے یہ شبہ رفع کر لیا جائے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کتاب کے مطالعے کے لیے مناسب روشنی نہ ہو اور آپ مصنوعی روشنی میں زیادہ دیر آنکھوں پر بار ڈال رہے ہوں۔ مصنوعی روشنی بہر حال آنکھوں کے لیے مفید نہیں۔ جہاں تک ممکن ہو قدرتی روشنی میں مطالعہ کریں۔ زیادہ مطالعے کے بعد دردِ سر ضعفِ دماغ کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے مغزِ بادام بہترین رہیں گے یا پھر خمیرۂ ہمدرد ۶-۶ گرام صبح و شام استعمال کیجیے۔

چہرے پر سخت سفید دانے

س: میری عمر ۱۳ سال ہے۔ میرے چہرے پر سخت سفید دانے ہیں۔

الصہیب صدیق، دادو

ج: یقیناً یہ سخت سفید دانے مہاسے نہیں ہیں۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو یہ سفید دانے فسادِ خون کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ شاید صافی کا مسلسل استعمال ان کو رفع کرنے میں مدد کر سکے۔

بالوں میں جوئیں

س: دو تین سال سے میرے بالوں میں جوئیں پڑ گئی ہیں۔ اس عرصے میں، میں نے بہت سی دوائیں استعمال کیں، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میرے بال بہت خراب ہو گئے ہیں، لیکھیں بھی پڑ گئی ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ مہربانی کر کے کوئی دوا یا علاج تجویز کریں؟

رضیہ سلطانہ، ٹنڈو محمد خان

ج: دوائے خارش سفید ۶ گرام، روغن کمیلہ ۳۶ گرام دونوں کو ملا کر رکھ لیں اور روزانہ رات کو سوتے وقت تھوڑا تھوڑا یہ تیل بالوں میں لگائیے اور صبح غسل کر لیجیے۔ ۱۰۔۱۵ دن مسلسل استعمال سے جوئیں ختم ہونے کی توقع ہے۔

ہاتھوں میں خارش

س: میرے ہاتھوں میں خشکی ہو گئی ہے۔ باریک باریک دانے کُھجلانے سے چھل جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے۔ شدید خارش بھی ہوتی ہے۔ یہ میرے سَر میں بھی ہو گیا ہے جس کی وجہ سے

بال گر رہے ہیں۔ مرہم سے وقتی فائدہ ہوتا ہے، لیکن پھر خارش شروع ہو جاتی ہے۔
شمع حسن، کراچی

ج: آپ ہمدرد کا "ہکنول" کا ایک ٹیوب خرید لیجیے اور ہاتھوں کے علاوہ سر پر بھی اس مرہم کو استعمال کیجیے۔ اس سے یہ تکلیف رفع ہو جائے گی۔

پاؤں میں درد

س: میں جب بھی شام کو سو کر اٹھتی ہوں میرے بائیں پاؤں میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے اور کیا علاج ہے؟
ناجیہ ارم، پشاور

ج: میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ یہ درد صبح سو کر اُٹھنے پر کیوں نہیں ہوتا۔ شام ہی کو کیوں ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ دن کو ضرورت سے زیادہ سو رہی ہیں، اور قدرت کا مطالبہ یہ ہے کہ پاکستان کے نونہالوں کو جاگنا چاہیے۔ خود جاگنا چاہیے اور دوسروں کو جگانا چاہیے۔

آواز بھدّی ہے

س: میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ میری آواز بہت بھدّی اور بھاری ہے۔ جب بھی بولتا ہوں عجیب احساس ہوتا ہے۔ پہلے میری آواز بہت پتلی ہوتی تھی۔ کوئی علاج بتائیے۔
ع۔ب، گوجرانوالہ

ج: آپ نے عمر نہیں لکھی۔ ہو سکتا ہے آپ کی عمر بلوغ کی ہو، اگر ایسا ہے تو اس عمر میں کچھ عرصے کے لیے آواز بھدّی اور بھاری ہو جایا کرتی ہے اس پر توجہ نہ کیجیے۔ چند دن بعد یہ خود بہ خود ٹھیک ہو جائے گی۔

پلکوں کے بال

س: میں جب بھی مطالعہ کرتا ہوں میری آنکھوں میں درد ہونے لگتا ہے اور ساتھ ہی پانی بھی آنے لگتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میری پلکوں کے بال بھی ٹوٹتے رہتے ہیں۔ کوئی علاج بتائیے کہ پلکوں کے بال گرنا بند ہو جائیں۔
پ۔ن۔ن۔ نواب شاہ

ج: شاید آپ کی بینائی کم زور ہے اور مطالعے کے وقت آنکھوں پر زور پڑ رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کسی ماہرِ چشم سے مشورہ کر کے چشمہ لگا لینا اچھا ہے۔ ہاں، ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ جہاں پر مطالعہ کر رہے ہیں وہاں روشنی کافی نہ ہو۔ مصنوعی روشنی میں زیادہ دیر مطالعہ بھی درد پیدا کر سکتا

ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ کی پلکوں کے بال ٹوٹ رہے ہیں۔ شاید پلکوں میں خارش کا مرض ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے بھی آنکھوں میں درد ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے کیسٹر آئل پلکوں پر لگانے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔

جوڑوں میں درد

س: میری والدہ صاحبہ کو پندرہ برس سے جوڑوں کا درد ہے۔ ان کو درد ہاتھ، پاؤں اور جسم کے مختلف حصّوں میں ہوتا ہے، انھیں گٹھلیاں بھی ہیں۔ بہت علاج کروایا، لیکن بے سُود رہا۔ اس کا کوئی علاج بتائیے۔ فاروق ندیم رحمانی، میاں چنوں

ج: جوڑوں کا درد ساری دنیا میں پھیل گیا ہے۔ اب پاکستان میں بھی یہ مرض واقعی بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ دنیا بھر کے ماہرین اس کے اسباب اور علاج کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ بعض ملکوں میں تو اب اس مرض کے خاص ہسپتال بن گئے ہیں۔ مگر اب تک اچھا علاج ہاتھ نہیں آیا ہے۔ ایک نسخہ لکھتا ہوں۔ محترمہ والدہ صاحبہ کو یہ ایک ماہ برابر استعمال کروائیں۔

صبح: اوجاعی ایک قرص کھائیں اور نسخہ نمبر ۱ پانی میں جوش دے کر چھان کر پی لیں۔

شام: اوجاعی دو قرص، نیم گرم پانی کے ساتھ۔

شب: معجون چوب چینی سادہ ۶ گرام، نیم گرم پانی کے ساتھ۔

طِب کی روشنی میں

سوالات بھیجنے والوں کے لیے

کالم طب کی روشنی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اندازہ آنے والے بے شمار خطوط سے ہو رہا ہے۔ اکثر نونہال اس قسم کے سوالات بھیج رہے ہیں جن کے جواب رسالے میں شائع نہیں کیے جا سکتے۔ ایسے نونہالوں کو چاہیے کہ وہ اپنا مکمل پتا ضرور لکھیں تاکہ انھیں خط کے ذریعے سے ضروری مشورہ دیا جا سکے۔ مطب ہمدرد کے ماہر اطبا کسی معاوضے کے بغیر یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ جو نونہال اپنے سوالات کے جلد جوابات چاہتے ہیں وہ بھی اپنا پتا ضرور لکھیں۔ اگر آپ رسالے میں جواب چاہتے ہیں تب بھی اپنا پتا ضرور لکھیے۔

بچوں میں آپس کی لڑائی کے بعد صلح صفائی کے لیے جب آپ اپنے پہلوان پڑوسی کے پاس گئے تو پھر کیا ہوا؟
بھئی، پھر کیا ہوتا؟ جب مجھے ہوش آیا تو میں یہاں پر تھا۔

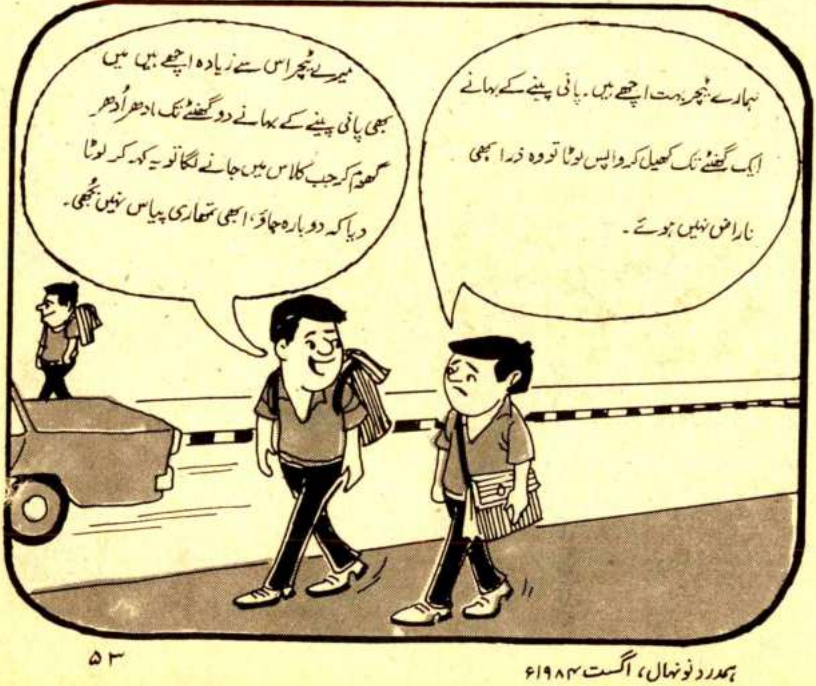
تمہارے ٹیچر بہت اچھے ہیں۔ پانی پینے کے بہانے ایک گھنٹے تک کھیل کر واپس لوٹا تو وہ ذرا بھی ناراض نہیں ہوئے۔
میرے ٹیچر اس سے زیادہ اچھے ہیں میں بھی پانی پینے کے بہانے دو گھنٹے تک اِدھر اُدھر گھوم کر جب کلاس میں جانے لگا تو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ دوبارہ جاؤ، ابھی تمھاری پیاس نہیں بجھی۔

اخبارِ نونہال

مصوّر بندر

۱۹۵۸ء میں لندن کی ایک آرٹ گیلری میں ۳۸۰ تصویریں رکھی گئی تھیں، لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تمام تصویریں دو بندروں نے بنائی تھیں۔ یہ تصویریں ایک لاکھ پونڈ میں فروخت ہوئی تھیں۔

مرسلہ: صائمہ حسن، کراچی

مجھ سے پوچھیے

امریکا کے ایک چھوٹے سے شہر کا نام بے حد دل چسپ ہے اور وہ ہے (ASKME) یعنی "مجھ سے پوچھیے"۔

مرسلہ: کامران بلوچ، اوکاڑہ

نصف دھڑ، مگر......

جونی شاید دنیا کا واحد آدمی ہے جو پیدائشی طور پر نصف دھڑ کا مالک ہے، بلکہ نصف سے بھی کم، کیوں کہ جونی کی ٹانگیں ہیں اور نہ پیٹ۔ جونی جب پیدا ہوا تو ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ بہ مشکل چند گھنٹے زندہ رہ سکے گا، لیکن جونی اب تک زندہ سلامت ہے۔ وہ حیرت انگیز خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہے۔ جونی ایک ماہر ٹائپسٹ، شعبدہ باز اور موسیقار ہے، اور شاید سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ ایک اچھا رقاص اور ماہر تیراک بھی ہے۔

سر کے بال اور رونگٹے

ایک فرانسیسی ایکٹر کو اپنے جسم کے بعض اعضا پر اتنا قابو تھا کہ وہ جب چاہتا اپنے رونگٹے اور سر کے بال بھی کھڑے کر سکتا تھا۔ اپنی خواہش کے مطابق یا اپنی قوّتِ ارادی سے وہ بالوں میں گھونگھر ڈال سکتا تھا۔ اسے اس قدر کمال حاصل تھا کہ وہ جب چاہتا تھا اس کے کچھ بال سپاٹ اور کچھ گھونگریالے ہو جاتے۔ دنیا میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں کہ کسی شخص کو اپنے جسم کے مختلف حصّوں پر اس قدر قابو حاصل ہو گیا ہو اور اس کی قوتِ ارادی اس حد تک مضبوط ہو گئی ہو۔

مرسلہ: مشتاق رحمت اللہ، کراچی

ذہین سمندری مخلوق

دنیا میں سب سے ذہین سمندری مخلوق ڈالفین ہے۔ اس کی ہوشیاری اس وقت ثابت ہوئی جب ایک ہمدرد ڈالفین نے امریکا کے ساحل میں ایک شخص کی جان بچا کر اسے ساحل کے کنارے پھینکا تھا۔ یہ شخص امریکا کا باشندہ تھا اور جہاز کے ایک حادثے میں سمندر میں ڈوب گیا ہوتا اگر ڈالفین اسے نہ اٹھاتی۔

مرسلہ: اشرف علی مغل، کوئٹہ

گدھے کے سر پر سینگ

لندن کے چڑیا گھر میں گدھے کی شکل والا ایسا جانور پایا جاتا ہے جس کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ اس جانور کا نام "میکالا گوما" ہے۔ اس کا تمام جسم گدھے جیسا ہے۔ اگر اس کے سر پہ سینگ نہ ہوتے تو یقیناً یہ ایک گدھا ہوتا۔

مرسلہ: شکیل احمد عباسی، دولت پور صفن

پتنگ بازی

جزیرہ مالدیپ میں پتنگ بازی کا شوق اتنا عام ہے کہ لوگ دفتروں میں پتنگ بازی کرتے ہیں۔ وہ ایک ہاتھ سے پتنگ اُڑاتے ہیں اور ایک ہاتھ سے دفتری کام انجام دیتے ہیں۔

مرسلہ: حق نواز، ہری پور ہزارہ

قرآن وسنّت کے حوالے سے دین و دنیا کی دانش کا ایک مفید مجموعہ

نورستان

حکیم محمد سعید کی ۴۲ انشری دینی تقریروں کا مجموعہ اس یقین کا نتیجہ ہے
کہ ہمارے تمام مسائل کا حل قرآنِ حکیم اور سنّتِ رسولِ کریمؐ میں موجود ہے۔

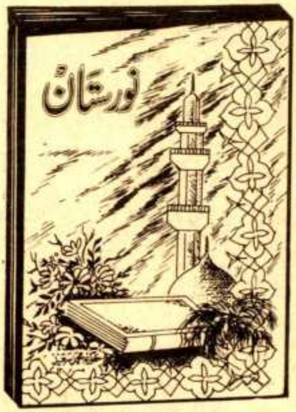

حکیم محمد سعید نے اپنی تقریروں میں اپنے دور، اپنے معاشرے اور اپنے ماحول کے مسائل کو قرآن وسنّت کے حوالے سے سادہ اور دل نشین انداز میں پیش کیا ہے۔
اس میں دانشِ دین و دنیا کے بیش تر پہلوؤں کا تقاضائے عصری کی روشنی میں احاطہ کیا گیا ہے۔ دینی موضوعات پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ شعور و آگہی میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور معاشرت و اخلاق کے نکات اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ضمیر کو جھنجوڑ کر صراطِ مستقیم پر چلنے کی رغبت پیدا کرتے ہیں۔

دانشِ دین و دنیا کا نچوڑ اور ہمارے دور کے
سوالوں کا جواب ہے۔ تمام تقاریر مختصر اور پُر معنی، فکر انگیز اور پُر اثر ہیں۔

ایک خوب صورت کتاب جو موضوع اور طباعت دونوں لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر گھر میں ہو
اور احباب و اقربا کو تحفہ میں دی جائے۔

صفحات: ۵۴۴ قیمت اعلا ایڈیشن: ۱۵۰ رُپے - رعایتی قیمت عام ایڈیشن ۵۰ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس پاکستان ہمدرد سنٹر، ہمدرد ڈاک خانہ ناظم آباد کراچی ۱۸ء

رسّے پر چلنے والا کھلاڑی

علی اسد

تنے ہوئے رسّے پر چلنے والا فرانس کا عظیم کھلاڑی بلانڈِن (Blondin) صرف چھے برس کا تھا جب اس نے اپنے فن کا آغاز کیا۔ یہ بات ۱۸۳۰ء کی ہے۔ فرانس کے قصبے سینٹ اومر میں نٹوں کا ایک گشتی طائفہ اپنے کرتب کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بلانڈِن بھی وہیں رہتا تھا۔ اس کا اصلی نام ژاں فرانسوا گریولر تھا۔ ننّھا بلانڈن اپنے والدین سے پوچھ کر ان نٹوں کا تماشا دیکھنے چلا گیا۔ تماشا جب ختم ہوا تو وہ گھر پہنچنے کے لیے بے تاب ہو گیا، کیوں کہ وہ گھر پہنچ کر خود ان نٹوں کی طرح حرکتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دو درختوں کے درمیان ایک رسّی باندھ لی اور اس رسّی پر چلنے کی کوشش کی۔ ابتدا میں وہ گر پڑا، مگر

وہ مسلسل کوشش کرتا رہا۔ آخر اسے کام یابی حاصل ہو گئی۔ اس کے والد نے جو اس کی ان حرکتوں کو دیکھا تو انھوں نے اسے ایک خاص اسکول میں داخل کروا دیا جہاں اسی قسم کے کاموں کی تربیت دی جاتی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُسے اپنے جسم کا توازن برقرار رکھنے میں کمال حاصل تھا۔ بچپن ہی میں وہ لوگوں کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگا۔ اس نے اپنے اس تماشے کا نام "ننھا عجوبہ" رکھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو اس کی شہرت سارے یورپ میں پھیل گئی۔ ایک دن بلانڈن نے اعلان کیا کہ وہ ایک ایسا کرتب دکھائے گا جس کی کسی انسان نے اس سے پہلے کوشش نہیں کی، یعنی آبشار نیاگرا کو تنے ہوئے رسّے پر چل کر پار کرنا۔ یہ واقعی نہایت مشکل اور خطرناک کام تھا۔ اسے گیارہ سو فیٹ لمبے رسّے پر چلنا تھا۔ اگر ذرا بھی قدم ڈگمگائے تو نیچے موجیں مارتے ہوئے دریا میں قلابازیاں کھاتا چلا جائے۔

بہرحال ۳۰ جون ۱۸۵۹ء کو بلانڈن کی اس مہم کے لیے ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دریائے نیاگرا پر کینیڈا کے ساحل سے لے کر امریکا کے ساحل تک ایک بڑا سا رسّا باندھ دیا گیا۔ رسّے کا ایک سرا لوہے کی سلاخوں میں باندھ دیا گیا جو چٹان میں پیوست تھیں۔ دوسرے سرے کو ایک ایسے دُھرے کے ذریعے سے کسا رکھا گیا جس کو گھوڑے گھماتے تھے۔ ہر بیس فیٹ کے فاصلے پر تنے ہوئے رسّے کو دوسری رسّیوں کے ذریعے سے دریا کے کناروں سے باندھ دیا گیا تھا اور ان رسّیوں سے نمک کی بوریاں لٹک رہی تھیں تاکہ رسّیاں تنی رہیں۔ پھر بھی بیچوں بیچ دریا میں کوئی رسّیاں نہ تھیں۔ لہٰذا یہاں پر رسّا پچاس فیٹ جھکا ہوا تھا اور ایک بڑے سے جھولے کی طرح ہلتا جا رہا تھا۔

بلانڈن کے اس کرتب کو دیکھنے کے لیے ہزاروں آدمی آئے ہوئے تھے۔ وہ دریا کے دونوں کناروں پر تھے۔ لوگوں نے آپس میں شرطیں بدلی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ بلانڈن کام یاب ہو جائے گا، اور کوئی کہتا تھا کہ آخری لمحے اس کی ہمت جواب دے جائے گی، اور وہ بھاگ کھڑا ہو گا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ بلانڈن کی ہمت پست ہونے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ وہ اطمینان سے عین وقت پر پچاس پاؤنڈ وزنی بانس توازن قائم رکھنے کے لیے اُٹھائے آگیا اور امریکا والے کنارے سے رسّے پر چڑھ گیا۔ جب وہ درمیانی حصّے پر پہنچا تو

بیٹھ گیا۔ پھر وہ اُٹھا، تھوڑی دُور چلا اور بانس کو اپنے سینے پر لٹکائے رسّے پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد وہ اُٹھا اور اس نے ایک اُلٹی قلابازی کھائی اور کینیڈا کے ساحل کی طرف چلا گیا۔ کینیڈا کا بینڈ بجنا شروع ہو گیا اور لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجا کر داد دینا شروع کر دی۔

پھر بیس منٹ آرام کرنے کے بعد بلانڈن رسّے پر واپس ہوا۔ اس بار وہ ایک کرسی بھی لیے ہوئے تھا۔ آدھے راستے پر جا کر اس نے کرسی کو رسّے پر سنبھال کر رکھا اور اس کا توازن قائم کیا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ قصّہ مختصر اپنے کرتب کا آغاز کرنے کے آدھے گھنٹے بعد وہ امریکی ساحل پر مسکراتا ہوا واپس آ گیا۔

اس کے بعد بلانڈن دوسری بار ۴ جولائی کو اسی رسّے پر پھر چلا۔ ۴ جولائی امریکا کی آزادی کا دن ہے۔ پھر چودہ جولائی کو جو کہ فرانس کا بَیسٹِل ڈے (یاد گار دن) ہے، اس نے ایک بار پھر اسی رسّے پر کرتب دکھایا۔ اس کے بعد اس نے بے شمار تماشے دکھائے۔ کبھی وہ سَر کے بَل رسّے پر کھڑا ہو جاتا اور کبھی رسّے پر رقص کرتا۔ کبھی وہ ایک کرسی اور میز کو لے جاتا اور رسّے پر کرسی اور میز کو رکھ کر کھانا کھاتا۔

اس نے رات کے وقت بھی دریا پار کیا۔ کنارے سے اس پر روشنی پڑتی رہتی تھی۔ پھر جب وہ آدھے راستے پر ہوتا تو روشنی بند کر دی جاتی اور وہ باقی ماندہ سفر اندھیرے میں طے کرتا، مگر یہ تمام کرتب اس کے حساب سے گویا کچھ بھی نہ تھے۔ لہٰذا اس نے آنکھوں پر پٹّیاں باندھ کر بھی رسّے پر دریا پار کیا۔ اس نے اپنے پیروں کو ٹوکریوں میں رکھ کر بھی رسّے پر چل کر دریا پار کیا۔ اسی طرح اس نے پابانسا کے ذریعے سے بھی دریا پار کیا۔ پابانسا اس بانس کو کہتے ہیں جس میں پیروں کے لیے ٹیک بنی ہوتی ہے اور جس کے سہارے انسان زمین سے بہت اُونچا ہو کر چلتا ہے۔

دو بار اس نے اُلٹے پیروں چل کر دریا پار کیا۔ ایک مرتبہ وہ ایک چُولھا بھی ساتھ لے گیا اور رسّے پر اس نے اطمینان سے انڈوں کا آملیٹ تیار کیا اور پھر ۱۷۰ فیٹ نیچے دریا میں جو اسٹیمر جا رہا تھا اُس کے مسافروں کو یہ آملیٹ لٹکا کر پیش کر دیا، لیکن سب سے زبردست کارنامہ اس کا وہ تھا جس میں اس نے ایک آدمی کو اپنی پیٹھ پر

سوار کیا اور اس حالت میں رسے پر چل کر دریا پار کیا۔ بلانڈن نے اس شخص کو کثیر رقم پیش کی جو اس جان جوکھم کام کے لیے اس کے ساتھ تیار ہوا۔ پہلے تو بہت سے لوگ راضی ہو گئے، مگر بعد میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ جس دن اس نے یہ کرتب دکھایا، اس دن تین لاکھ تماشائیوں کا ہجوم موجود تھا۔ ان میں پرنس آف ویلز بھی تھے جو بعد میں ایڈورڈ ہشتم کے لقب سے انگلستان کے بادشاہ ہوئے۔ بلانڈن نے شہزادے کو بھی مذاق سے دعوت دی کہ شریک ہوں، مگر شہزادے نے نرمی سے انکار کر دیا۔ آخر بلانڈن کا نائب ہیری کولکورڈ راضی ہو گیا۔ بلانڈن نے اس سے کہا، "تم میری پیٹھ پر بالکل ساکت پڑے رہنا۔ اگر میں لڑکھڑاؤں یا ڈگمگاؤں تب بھی تم خود اپنا توازن قائم کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

بلانڈن زرق برق رنگین لباس میں نمودار ہوا۔ اس نے ایک خاص قسم کی لگام بھی پہن لی تاکہ کولکورڈ اس سے چمٹا رہے۔ کولکورڈ پُر تکلف سیاہ لباس زیب تن کیے بلانڈن کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور دونوں بڑے ٹھاٹھ سے روانہ ہو گئے۔ بلانڈن بڑی احتیاط سے رسّے پر ایک ایک انچ بڑھتا گیا۔ کنارہ جب تقریباً ڈیڑھ سو فیٹ رہ گیا تو اسے آرام کی شدید ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے کولکورڈ سے کہا کہ وہ ایک لمحے کے لیے اُتر جائے۔ یہ سُن کر خوف سے کولکورڈ کا کلیجہ منھ میں آگیا۔ وہ اس کے لیے ہرگز تیار نہ تھا، لیکن اگر وہ انکار کرتا تو بلانڈن گر بھی سکتا تھا۔ چناں چہ کولکورڈ پیٹھ پر سے اُترا اور بلانڈن کی کمر پکڑے رہا۔ ذرا ہی دیر بعد بلانڈن نے کہا،

"پھر پیٹھ پر چڑھ جاؤ!"

دوسری بار آرام کرتے وقت بلانڈن نے اپنی ٹوپی کو ہاتھ میں لے کر بازو پھیلا دیا۔ نیچے دریا میں جو اسٹیمر تھا اس میں ایک مشہور نشانہ باز تھا جس کا نام تھا جان ٹریویس۔ ٹریویس نے پستول سے گولی ماری۔ بلانڈن نے اپنی ٹوپی کو دیکھا اور اشارہ کیا کہ "نہیں" ٹریویس نے پھر گولی چلائی۔ نشانہ پھر خطا ہو گیا۔ تیسری گولی نشانے پر لگی۔ بلانڈن نے اپنی ٹوپی لہرائی۔ گولی اس میں لگ کر پار ہو چکی تھی۔

بیچوں بیچ دریا میں جہاں رسّے میں جھول تھا وہاں بلانڈن ڈگمگایا۔ وہ دوڑنے لگا۔ جب وہ اس جگہ پر پہنچا جہاں بندھی ہوئی رسیّوں کی بدولت بڑا رسّا تنا ہوا تھا تو

وہاں اس نے سستانا چاہا، مگر ایک جواری نے جو اپنی شرط جیتنا چاہتا تھا رسیّوں کو کاٹ دیا۔ اس کے باوجود بلانڈن آدمی کو پیٹھ پر لادے توازن قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور دوڑ کر آگے بڑھ گیا جہاں پر رسّا مضبوطی سے بندھا ہوا تھا۔ یہاں کولکورڈ پھر پیٹھ سے اُتر پڑا۔ اب بھی ان کی مشکلات ختم نہیں ہوئی تھیں۔ جوں ہی یہ دونوں کنارے کے قریب پہنچے تو تماشائیوں کا ہجوم آگے بڑھ آیا اور ایسا معلوم ہوا کہ ہجوم ان دونوں کو گھیر لے گا، لیکن بلانڈن تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ہجوم نے اس کے لیے جگہ چھوڑ دی اور یہ دونوں صحیح سلامت زمین پر پہنچ گئے۔ چالیس سال بعد کولکورڈ نے لکھا، "اس دن کا جب خیال کرتا ہوں تو آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھے دریا کی دونوں جانب انسانی ہجوم دکھائی دینے لگتا ہے اور نیچے ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا نظر آنے لگتا ہے۔ میں یہ محسوس کرنے لگتا ہوں کہ بلانڈن شریروں کی حرکتوں کی وجہ سے لڑکھڑا جائے گا، مگر وہ تیزی سے دوڑنے لگتا ہے۔ مجھے جب یہ باتیں یاد آتی ہیں تو میں کانپنے لگتا ہوں۔"

بلانڈن کو آبشار نیاگرا پہلی بار پار کیے ہوئے سو برس گزر چکے ہیں۔ پھر وہ لندن آیا اور وہاں اس نے کئی تماشے دکھائے۔ آج بھی کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جنھوں نے اس کے کرتب دیکھے تھے۔ شاید آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ کیا بلانڈن تنے ہوئے رسّے پر سے گر کر مرا؟

جی نہیں، وہ بہتّر برس کا ہو کر سکون سے اپنے بستر پر مرا۔

بوجھو تو جانیں ـــــ پچھلے ماہ کے جوابات

(۱) کھڑکی (۲) ایشیا، شاباش، موہوم، داماد (۳) مصر (۴) سوڈان (۵) چین (۶) یونان (۷)

۵	۱۰	۳
۴	۶	۸
۹	۲	۷

(۸) آسمانی بجلی۔

مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں - ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیجئے - خون کی صفائی اور جلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ

صافی

ہمدرد

سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے۔ حکیم محمد سعید

س : کہا جاتا ہے کہ سلور کے برتنوں میں کھانے پینے کی چیزیں، مثلاً چائے اور دودھ نہیں رکھنے چاہییں۔ اگر یہ بات درست ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

حافظ محمد الیاس بندھانی، کراچی

ج : ہمارے کھانے پینے کی اکثر چیزوں میں کھٹاس ہوتی ہے جیسے دہی یا ٹماٹر کے سالن میں ہوتی ہے۔ اگر ایسی چیزیں بغیر قلعی کے برتن میں رکھ دی جائیں تو کیمیائی ردِّ عمل کے نتیجے میں اُن کے خراب ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے بغیر قلعی کے برتنوں میں سالن نہیں رکھنا چاہیے، لیکن قلعی دار برتنوں میں تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ سلور سے آپ کی مُراد غالباً المونیم کے برتنوں سے ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ اُس میں دہی کو دیر تک نہ رکھا جائے۔ کیوں کہ دہی میں تُرشی ہوتی ہے۔

س : انسان کے بعد دنیا کی عقل مند مخلوق کون سی ہے؟

ساجد محمود، کراچی

ج : یوں تو بعض جانور بڑے سمجھ دار واقع ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ بول نہیں سکتے، لیکن چمپنزی یا بن مانس کو خاصا عقل مند پایا گیا ہے۔ وہ بہت سے ایسے کام کر لیتا ہے، جو ہم انسان کرتے ہیں۔

س : بجلی کن طریقوں سے پیدا کی جاتی ہے؟ سب سے سستا طریقہ کون سا ہے۔ آج کل پاکستان میں کس طریقے سے بجلی پیدا کی جا رہی ہے۔

محمد قیصر امام، کراچی

ج : پن بجلی مشہور ہے یعنی پانی کی دھار یا آبشار کی قوت سے چرخاب کو گھمایا جائے، جس سے ٹربائن گردش میں آئے اور بجلی پیدا ہو جائے۔ قدرت نے بجلی اور مقناطیسیت کے درمیان گہرا تعلق رکھا ہے۔ جنریٹر میں بڑا قوی مقناطیس ہوتا ہے جس کے قطبین کے درمیان تاروں کا لچھا یا آرمیچر گردش کرتا ہے تو بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ہے بجلی پیدا کرنے کا قدیم اور سستا طریقہ۔ آبشار میسر نہ ہو تو بھاپ پیدا کر کے اُس سے بھی یہ کام لیا جاتا ہے۔ اب ایٹمی توانائی یعنی ری ایکٹر کے ذریعہ سے بھی بجلی پیدا کی جا رہی ہے۔ یہ ہے جدید طریقہ۔ پاکستان میں دونوں طریقوں سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔

شازیہ خلیق، کراچی

س : خلا میں جو خلائی اسٹیشن بنایا گیا ہے، کیا ہوا، پانی اور حرارت وہاں موجود ہے؟ اگر نہیں، تو وہاں نباتات کی افزائش کیوں کر ہو رہی ہے؟

ج : یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا ہے کہ خلا میں نباتات پیدا ہو رہی ہے۔ اب تک تو ایسا نہیں ہوا۔ البتہ آنے والے زمانے میں ایسا ہو جائے تو مشکل نہیں۔ اب تک تو جتنے بھی خلا باز خلا میں گئے ہیں، وہ اپنے قیام کے لیے ضرورت کا لباس اور اپنی غذا اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ خلا میں کچھ نہیں ملتا۔

چاند سلطانہ عروج، کراچی

س : تیزاب سے جسم جھلس کیوں جاتا ہے؟

ج : ہماری جلد اور جسم نازک ہیں اور تیزاب میں بہت زیادہ تیزی اور کاٹ موجود ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے تُرشہ بھی کہتے ہیں۔ اُس کی اس خصوصیت کی وجہ سے ہمارا جسم جل جاتا ہے۔

احمد ندیم قادری، کراچی

س : تیزاب میں پانی ڈالنے سے تیزاب کیوں اُچھلتا ہے؟

ج : کیمیائی ردِّ عمل کی وجہ سے۔

محمد عامر قریشی، کراچی

س : کمپیوٹر کیا ہے اور یہ کس کام آتا ہے؟

ج : کمپیوٹر ایک الیکٹرونی مشین ہے جس میں مختلف اعداد و شمار اور یادداشتیں جمع کر لینے اور پھر

حسبِ ضرورت اُنھیں ظاہر کر دینے کی بڑی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اُس کا ایک ادنیٰ استعمال بجلی اور ٹیلے فون وغیرہ کے بل تیار کرنا ہے۔ آپ ہر آدمی کا حساب اُس میں بھر دیتے ہیں اور وہ پچھلے حساب کی مدد سے نیا بل تیار کر دیتا ہے۔ پھر جب بھی آپ پُرانا حساب دیکھنا چاہیں گے وہ نکال کر پیش کر دے گا۔ پھر اس سے کوئی غلطی نہیں ہوتی اور نہ وہ تھکتا ہے۔ بل تیار کرنے اور مختلف حساب کتاب رکھنے کے علاوہ اُسے کارخانوں میں مشینیں چلانے، ہوائی جہازوں میں مسافروں کی نشستیں مخصوص کرنے اور ایسے ہی دوسرے بہت سے کام انجام دینے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔

س: جب ہماری کہنی کسی سخت چیز سے ٹکرا جاتی ہے، تو ہماری کہنی میں کرنٹ (جھنجھناہٹ) کیوں پیدا ہوتی ہے؟ **محمد احسان، کراچی**

ج: ہمارے جسم میں رگوں (ریشوں) کا جال پھیلا ہوا ہے۔ بعض جگہ کئی رگیں آپس میں ملتی ہیں یا ایک دوسرے کے اوپر سے گزرتی ہیں، مثلاً ہماری کہنی۔ جب ایسا کوئی مرکز کسی سخت چیز سے ٹکراتا ہے تو یہ صدمہ چاروں طرف سے ہمارے دماغ تک پہنچتا ہے اور ہم یکایک ایک جھنجھناہٹ محسوس کرتے ہیں، جیسے کرنٹ لگ گئی، حال آنکہ یہ کرنٹ نہیں ہوتی۔

س: بند ڈبوں اور پیکٹوں میں پکے ہوئے کھانے اور دودھ وغیرہ کیسے تازہ رہتے ہیں، جب کہ عام طور پر وہ ایک دو دن میں خراب ہو جاتے ہیں۔ **محسن رجب علی، نواب شاہ**

ج: ہوا میں ہر وقت جراثیم بھرے رہتے ہیں۔ یہ جراثیم ہی غذائی اشیا میں شامل ہو کر انھیں خراب کر دیتے ہیں۔ ڈبے میں بند کی جانے والی غذاؤں کو خوب اچھی طرح پکایا جاتا ہے اور پھر ڈبے کی ہوا باہر نکال کر غذا کو اُس میں بند کر دیا جاتا ہے، لیکن یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ بند کرتے وقت ہوا اندر داخل نہ ہو۔ اس طرح یہ غذا کافی دن ٹھیک رہتی ہے۔ ساتھ ہی کوئی کیمیکل بھی شامل کیا جاتا ہے۔

س: سائنس کے مطابق سورج کی شعاعوں سے پانی بخارات بن کر اُڑتا ہے اور پھر بارش کی

صورت میں برستا ہے، لیکن رات کے وقت یا چھاؤں میں یا ہوا کے ذریعے سے پانی کیوں خشک ہو جاتا ہے؟ آنسہ روشن زکریا کھتری، کراچی

ج: دراصل بخارات بننے کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب موسم خشک ہوتا ہے اور ہوا میں ابخرات کم ہوتے ہیں تو اس عمل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اس وقت خشک ہوا زیادہ سے زیادہ نمی جذب کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ تیز ہوا بھی اس عمل میں مدد دیتی ہے اس لیے رات کے وقت اور چھاؤں میں بھی کچھ نہ کچھ ابخرات بنتے رہتے ہیں۔

س: زلزلہ کیوں اور کیسے آتا ہے؟ محمد نوید اقبال، کراچی

ج: یہ ایک وسیع موضوع ہے۔ ہم اس پر مضمون بھی شائع کر چکے ہیں۔ مختصر طور پر یہ سمجھیے کہ زمین اوپر سے تو ٹھنڈی اور پُرسکون ہے، لیکن اس کے اندر بدستور لاوا ابھرا ہوا ہے اور اس کی اندرونی تہوں میں تلاطم برپا رہتا ہے۔ کبھی کبھی یہ لاوا آتش فشاں پہاڑ سے باہر نکل آتا ہے، اُس وقت زمین ہل جاتی ہے، جسے ہم زلزلہ کہتے ہیں۔ اندرونی طور پر بھی لاوا کی حرکت زلزلے کا سبب بنتی ہے۔

س: ریڈار کیا کام کرتا ہے اور اس کے کیا فائدے ہیں؟

راجا کامران شوکت

ج: یہ ایجاد پچھلی جنگِ عظیم میں سامنے آئی۔ وہ وائرلیس لہروں کی مدد سے کام کرتی ہے۔ اُس سے یہ لہریں نکل کر تیزی سے چاروں طرف پھیل جاتی ہیں اور راستے میں جس چیز سے بھی ٹکراتی ہیں، فوراً واپس آتی ہیں اور ٹیلے وژن جیسے ایک پردے پر اُس چیز کی تصویر پیش کر دیتی ہیں۔ یہ پردہ ریڈار سیٹ میں لگا ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر دشمن کے ہوائی جہاز حملہ کرنے آرہے ہیں تو پہلے سے اُن کا پتا لگ جائے اور بچاؤ کا بندوبست کر لیا جائے۔ پچھلی جنگِ عظیم میں برطانیہ کو اس ایجاد نے جرمنوں کے طیاروں سے محفوظ رکھا۔ اب زمانۂ امن میں اُس سے بہت سے مفید کام لیے جا رہے ہیں۔ مثلاً کُہر اور دُھند میں چھُپی ہوئی چیزیں بھی اُس کے ذریعے سے نظر آجاتی ہیں۔ اس طرح ہوائی اور بحری سفر پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ محفوظ ہو گیا ہے۔ جدید جہازوں پر ریڈار سیٹ نصب ہوتے ہیں۔

اولمپک کھیل

نئے اور پرانے کھیلوں کی خاص خاص باتیں

فن لینڈ کے پاوو نُرمی کو اولمپک کا عظیم ترین کھلاڑی کہا جاسکتا ہے۔ اس تصویر میں وہ ۱۹۲۸ء میں ایمسٹرڈیم میں اپنے ساتھی دی وِٹولا کے ساتھ ۵ ہزار میٹر لمبی دوڑ میں حصہ لے رہے ہیں۔

اس بار پھر اولمپک کھیلوں کی خاص خاص اور دل چسپ باتیں پیش کی جارہی ہیں۔

سب سے پرانے کھیل جن کا سراغ ملتا ہے جولائی ۷۶، قبل مسیح میں ہوئے تھے، جن میں ایک باورچی کوروبس نے فُٹ ریس (پیروں کی ریس) جیتی تھی۔ اس زمانے میں زیتون کے پتّوں کا تاج تمغے کے طور پر پہنایا جاتا تھا۔ پھر رُوم کے عیسائی بادشاہ تھیوڈوسیس کے حکم پر ان کھیلوں پر پابندی لگا دی گئی۔ ۱۵۰۳ سال بعد ایک مصنف بیرن ڈی کوبرٹائن کی کوششوں سے ۶۔اپریل ۱۸۹۶ء کو ایتھنز میں دوبارہ یہ کھیل جاری ہوئے۔ ان کھیلوں کے لیے اسٹیڈیم میں سب سے نیچے کُھدائی کرکے نشستوں کی دو قطاریں بنائی گئیں۔ اُس وقت خود اولمپیا میں بھی رہنے ٹھیرنے کا انتظام نہیں تھا اور اسٹیڈیم میں بارہ بارہ فیٹ تک کیچڑ بھری ہوئی تھی جو دریائے ایلفس نے وہاں لاکر جمع کی تھی۔

جدید دور کے ان سب سے پہلے اولمپک کھیلوں کے بارے میں سر جارج اسٹوارٹ رابرٹسن نے جو خود انگلستان کی طرف سے شریک ہوئے تھے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ان کھیلوں کا اشتہار اچھی طرح نہیں دیا گیا اس لیے دوسرے ملکوں سے بہ مشکل ڈیڑھ دو ہزار تماشائی اولمپک کھیل دیکھنے پہنچے۔ باہر کی دنیا میں یہ غلط فہمی بھی پھیل گئی کہ ایتھنز میں ٹھیرنا بہت مہنگا پڑے گا، حال آنکہ میں پندرہ دن تک ایتھنز میں رہا تو میرے صرف چار پونڈ خرچ ہوئے۔ اولمپک کا پروگرام اور قوانین فرانسیسی اور جرمن زبان میں جاری کیے گئے۔ انگلستان کے کھلاڑیوں کو ان کھیلوں

سے صرف ایک دو مہینے پہلے یعنی مارچ میں دعوت دی گئی، جس کے نتیجے میں صرف چھے انگریز ایتھلیٹ شریک ہو سکے اور انھوں نے پانچ سونے کے اور کئی چاندی کے تمغے جیت لیے۔

فرانسیسی کھلاڑی صرف سائیکلنگ اور تلوار بازی میں کام یاب ہوئے۔ تین کے علاوہ باقی تمام جرمنوں نے صرف جمناسٹک کے مقابلوں میں حصّہ لیا۔ عجیب وغریب کارکردگی پر بھی انعامات دیے گئے۔ مثلاً چھلانگ لگاتے ہوئے گھوڑے کے اوپر سے چھلانگ لگانا۔

اٹلی کا ایک باشندہ اتنا شوقین تھا کہ میلان سے پیدل چل کر ایتھنز پہنچا، مگر وہاں پہنچنے پر اُسے نااہل قرار دے کر شریک نہیں کیا گیا۔ اولمپک مقابلوں کی نگرانی ولی عہد شہزادہ کانسٹنٹائن، شہزادہ جارج اور شہزادہ نکولس نے کی جن کا حکم ہر ایک کو ماننا پڑتا تھا۔ ساٹھ ہزار کے لگ بھگ یونانیوں نے جدید دور کے یہ پہلے اولمپک کھیل دیکھے۔

شاید پورا یونان سمجھتا تھا کہ وہ لمبے فاصلے کی ریس میں حصّہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے میراتھون ریس کے لیے پہلے بہت بڑی ٹیم جمع ہو گئی۔ اس کو دیکھ کر خود ریس کا انتظام کرنے والے گھبرا گئے اور انھوں نے زیادہ افراد کو ریس سے نکال دیا۔ یہ ریس ایک یونانی باشندے اسپریڈون لوئی نے جیتی۔ میراتھون ریس کے علاوہ ان اولمپک کھیلوں کی ایک اور خصوصیت ڈسک پھینکنا تھی۔ اس سے پہلے سوائے یونانیوں کے کوئی اور جانتا ہی نہیں تھا کہ ڈسک کیا ہوتی ہے؟ اس کا وزن اس کا سائز کیا ہوتا ہے؟ اس کے باوجود یونانی کھلاڑیوں کے بجائے ایک امریکی باشندے آر گیرٹ نے ڈسک پھینکنے کا مقابلہ جیتا۔ اس نے ایتھنز میں آنے سے پہلے اندازے سے خود ایک ڈسک بنائی اور اس کی اچھی طرح مشق کر لی اور ایک ایسے کھلاڑی کو ہرا دیا جسے یونانی ناقابلِ شکست سمجھتے تھے۔

سب سے زیادہ تمغے

مَردوں میں سب سے زیادہ یعنی دس تمغے ابھی تک امریکی ایتھلیٹ ڈمنڈ کلیرینس ایوری (۱۸۷۴ء تا ۱۹۳۷ء) نے جیتے۔ عورتوں میں یہ ریکارڈ سات تمغوں کا ہے جو چیکوسلواکیہ کی جمناسٹک کی کھلاڑی ویرا کیلاسکا اوڈلوزل (پیدائش ۳۔ مئی ۱۹۴۲ء) نے قائم کیا۔

انفرادی طور پر ایک ہی مقابلے میں چار مرتبہ تمغے جیتنے کا اعزاز امریکا کے الفریڈ اے۔ اوپرٹر نے حاصل کیا۔ انھوں نے ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۰ء، ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۸ء میں ڈسک پھینکنے میں پہلی پوزیشن لی۔

ایک اولمپک بہت سارے طلائی تمغے

ایک ہی اولمپک میں سب سے زیادہ طلائی تمغے جیتنے کے رکارڈ کا جہاں تک تعلق ہے امریکی تیراک مارک اسپٹز نے ۱۹۷۲ء کے میونخ اولمپک کھیلوں میں سات سونے کے تمغے جیتے۔

ایک ہی مقابلے میں سب سے زیادہ تمغے جیتنے کا رکارڈ اسپیڈ اسکیٹر ایرک ہائیڈن نے ۱۹۸۰ء میں پانچ تمغے جیت کر قائم کیا۔

کم عمر اور عمر رسیدہ تمغے پانے والے کھلاڑی

سب سے کم عمر میں سونے کا تمغا جیتنے والی لڑکی امریکا کی مارجوری گیسٹرنگ ہے، جس نے ۱۹۳۶ء

اولمپک کھیلوں میں اکثر یادگار مناظر اور سنسنی خیز دوڑیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ ۵۲ء میں ہیلسنکی میں برطانوی کرس چیٹاوے ۵ ہزار میٹر کی دوڑ میں شروع سے آخر تک اوّل رہے مگر آخری موڑ پر وہ پھسل کر گر پڑے۔ کیمرے کی آنکھ نے یہ سنسنی خیز منظر محفوظ کر لیا۔ اس ریس میں روس کے زاٹو پیک اوّل فرانس کے میماؤن دوئم اور جرمنی کے شیڈ سوئم رہے۔

کے اولمپک میں ۱۳ سال نو ماہ کی عمر میں اسپرنگ بورڈ کا مقابلہ جیتا۔ ایک اور کم عمر اور ایتھیلیٹ فرانس کا ایک لڑکا تھا، جس کا نام بد قسمتی سے رِکارڈ نہیں ہو سکا۔ اس کی عمر دس سال سے بھی کم تھی اور ہو سکتا ہے سات سال ہی ہو۔ وہ ڈاکٹر ہرمین بروکلین کی جگہ ۱۹۰۰ء کے اولمپک میں میدان میں اُترا اور اس نے کشتی رانی کے مقابلے میں سونے کا تمغا جیت لیا۔ ڈاکٹر بروکلین کو زیادہ وزن کی وجہ سے شریک نہیں کیا گیا تھا۔

طویل شرکت

کس کھلاڑی نے طویل عرصے تک اولمپک کھیلوں میں شرکت کی؟ اس کے جواب میں لوگ ڈنمارک کے ڈاکٹر آیَوان اوزبیہ کا نام لیتے ہیں جنھوں نے ۱۹۰۸ء تا ۱۹۳۲ء اور پھر ۱۹۴۸ء میں تلوار بازی کے مقابلوں میں حصّہ لیا۔ اسی طرح ناروے کے میگنس کونو ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۰ء اور پھر ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۸ء کشتی رانی کے مقابلوں میں حصّہ لیتے رہے۔

عورتوں میں طویل عرصے کی شرکت کا رِکارڈ ۲۴ سال کا ہے جو آسٹریلیا کی ایلین ملر پریس نے فینسنگ یعنی تلوار بازی میں قائم کیا۔

سب سے زیادہ تماشائی

ناروے کے شہر اوسلو میں ۱۹۵۲ء میں ہونے والے اسکائی جمپنگ کے اولمپک مقابلے کو ڈیڑھ لاکھ تماشائیوں نے دیکھا۔ ٹوکیو کی شاہراہوں پر ۱۹۶۴ء میں جو طویل میراتھون ریس ہوئی اسے ایک اندازے کے مطابق ایک وقت میں پانچ سے لے کر پندرہ لاکھ تماشائیوں نے دیکھا۔

کتنے تمغے جیتے

موسم گرما کے ۱۸۹۶ء سے ۱۹۸۰ء تک کے اولمپک اور موسم سرما کے ۱۹۲۴ء سے ۱۹۸۰ء تک کے اولمپک کھیلوں میں امریکا، روس اور برطانیہ نے کل جتنے تمغے جیتے اس کی تفصیل یہ ہے:۔

	سونے کے تمغے	چاندی کے تمغے	کانسی کے تمغے	کُل میزان
۱۔ امریکا	۶۶۰	۵۱۱	۴۴۴	۱۶۱۵
۲۔ روس	۴۰۲	۳۳۰	۲۹۶	۱۰۲۸
۳۔ انگلستان	۱۶۹	۲۰۵	۱۸۶	۵۶۰

ہاتھیوں کی لڑائی

سعا

تقریباً سو برس قبل افریقہ کے گھنے جنگلوں میں ریلوے لائن بچھائی جا رہی تھی۔ بڑے بڑے دیو قامت ہاتھی بھاری بھاری لٹھوں کو اپنی سونڈ سے اُٹھا اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا رہے تھے۔ ان ہاتھیوں کو ان کے مہاوت چلا رہے تھے۔ مہاوتوں کا سرغنہ ایک نوجوان لڑکا تھا جس کا نام تھا کالُو۔ ایک دن کالُو گھبرایا ہوا اس انگریز انجینئر کے پاس آیا جو لائن بچھانے کا کام کروا رہا تھا۔

"صاحب، ہاتھی پہلے کی طرح کام نہیں کر رہے ہیں۔ وہ حبشی جادوگر بڑا خطرناک ہے۔ اسی نے یہ گڑبڑ پھیلا رکھی ہے۔"

دراصل ہوا یہ تھا کہ حبشی جادوگر "ممبو" نے جب یہ دیکھا کہ بھاپ سے چلنے والے انجن کا

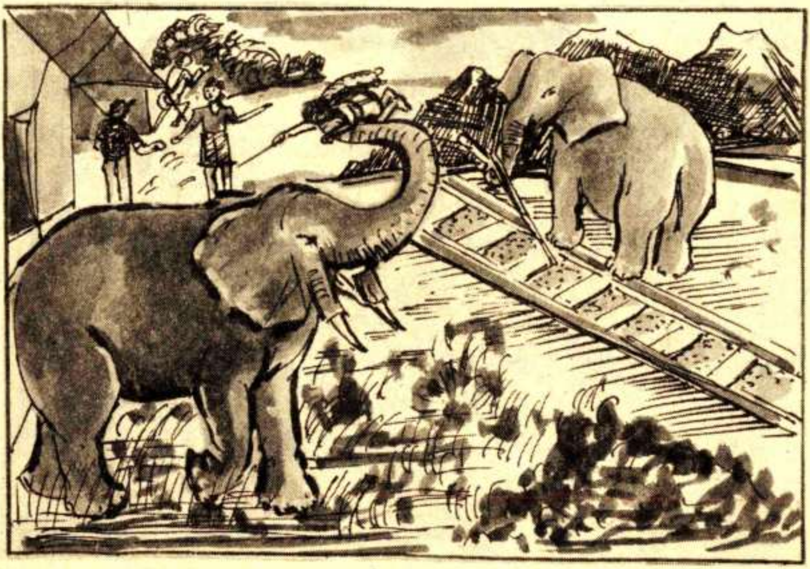

جادو خود اس کے جادو سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے، تو اس نے ریلوے لائن کو تباہ کرنے کے لیے ہاتھیوں کو استعمال کرنے کی ٹھان لی۔ چناں چہ اس نے ایک بڑے سے بگل کو لے کر بجانا شروع کر دیا۔ اس بگل سے بالکل ایسی آواز نکلتی تھی کہ جیسے ہاتھی چنگھاڑ رہا ہو۔ لہٰذا بگل کی آواز سُن کر ہاتھیوں میں بے چینی پیدا ہو گئی اور ایک ہاتھی جو اس کام میں ابھی نیا نیا لگایا گیا تھا وہ سب سے زیادہ بدحواس ہو گیا۔ اس ہاتھی کا نام تھا "ٹرک"۔ چناں چہ ٹرک نے پہلے تو اپنے مہاوت کو گرا دیا اور پھر اس نے ریلوے لائن کو اُکھاڑنا شروع کر دیا۔ سارے کیمپ میں اس کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی۔ جادوگر ممبو یہ دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ ادھر کام کرنے والے لوگ پریشان ہو کر کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح سے اس پاگل ہاتھی کو قابو میں لائیں، مگر ٹرک ساری لائنوں کو اُکھاڑنے کے بعد پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔

جادوگر ممبو نے آگے بڑھ کر انگریز انجینئر سے کہا:

"صاحب، وہ دیکھو۔ وہ لڑکا جو بھاگا جا رہا ہے۔ اسی نے ہاتھی کو غصّہ دِلا دیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اشارہ کیا تو سامنے کالو بھاگتا دِکھائی دیا۔

بات یہ تھی کہ کالو جانتا تھا کہ ٹرک کو روکنا بڑا ضروری ہے ورنہ وہ دوسری جگہوں پر جا کر اسی طرح تباہی مچا دے گا۔ لہٰذا کالو اپنے ہاتھی کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھی کا نام تھا "گنگا"۔ گنگا ہاتھی بڑا سمجھ دار اور وفادار تھا۔ گنگا سمجھ گیا کہ کالو کیا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے کالو کو فوراً اپنی سونڈ سے پکڑ کر اپنے سَر پر بٹھا لیا اور ٹرک ہاتھی کے پیچھے پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

کافی دُور جانے کے بعد ایک پہاڑ کی چوٹی پر کالو اور گنگا نے ٹرک کو گھیر لیا۔ اب گنگا حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ ٹرک پیچھے ہٹتے ہٹتے پہاڑ کے کنارے جا پہنچا۔ گنگا بڑے زور سے چنگھاڑا۔ یہ گویا اعلانِ جنگ تھا۔ بس پھر کیا تھا، دونوں ہاتھیوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ابتدا میں گنگا کچھ دَبتا ہوا معلوم ہوا۔ بات یہ تھی کہ ٹرک پر غصّے کا بھوت سوار ہو چکا تھا، اس لیے اس کی طاقت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بہرحال، رفتہ رفتہ گنگا اور اس کے مہاوت کالو نے ٹرک کو اور پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ چناں چہ ٹرک پیچھے کھسکتے کھسکتے پہاڑ کے آخری کنارے پر آ گیا۔ اس وقت گنگا نے بڑھ کر ایک زبردست ٹکر ماری۔ ٹرک سنبھلنے کے لیے

پیچھے جو ہٹا تو اس کا پیر پھسل گیا اور وہ سیدھا سیکڑوں فیٹ گہرے دریا میں جا گرا۔
کالو کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا، مگر اسی کے ساتھ اب اس کو یہ اطمینان ہو گیا کہ ریلوے لائن بچھانے کا کام سکون سے ہو سکے گا۔ اس کے بعد جادو گر ممبو کو اس علاقے سے بھگا دیا گیا اور ریلوے لائن تیار ہو گئی۔ اب ریل گاڑی جب بھی اِدھر سے گزرتی ہے تو انجن ڈرائیور کالو کو ہاتھ ہلا ہلا کر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں، کیوں کہ اس نے اپنی جان کی بازی لگا کر ریلوے لائن کی تعمیر کروائی۔ کالو کے پاس اب بہت سے ہاتھی ہیں، مگر گنگا اس کا سب سے زیادہ چہیتا ہاتھی ہے۔

نوری سال

- نوری سیکنڈ۔ روشنی ایک سیکنڈ میں ۱۸۶،۲۸۲ میل کا سفر کرتی ہے۔
- نوری سال۔ روشنی ایک سال میں ۵،۸۸۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ میل کا سفر کرتی ہے۔

خلائی سائنس کی ترقی

- ۴۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو روس نے پہلا مصنوعی سیارہ اسپتنک اوّل خلا میں بھیجا۔ اس کا وزن ۱۸۴ پونڈ (۸۳ کیلو گرام تھا)
- ۱۲۔ اپریل ۱۹۶۱ء کو پہلا انسان جو خلا میں داخل ہوا وہ روسی خلا باز یوری گگارین تھا اور وہ ووسٹوک اوّل میں سوار ہو کر گیا تھا۔
- ۱۶۔ جون ۱۹۶۳ء کو پہلی روسی خاتون خلا باز ویلنتینا تریشکوفا خلا میں گئی۔
- ۱۸۔ مارچ ۱۹۶۵ء کو پہلا شخص جس نے خلا میں چہل قدمی کی روسی خلا باز الیکسی لیونوف تھا وہ ۱۰ منٹ تک خلائی جہاز سے باہر خلا میں رہا۔
- ۲۰۔ جولائی ۱۹۶۹ء کو پہلا شخص جو چاند پر اُترا امریکا کا خلا باز نیل آرم سٹرانگ تھا۔

صحت مند نونہال

امبر عرفان غوری، کراچی

محمد اظہر شاہ عابد، لودھراں

رفیع اللہ، کراچی

سعید اختر حیات، دریاخاں

رضوان زاہد عرف موٹا، کراچی

پرنس ناصر بلوچ، کراچی

رحیم بخش بھٹو، شکارپور

حمید احمد خان، حیدرآباد

لیاقت علی اعوان، ملتان

عبدالمجید انصاری، کراچی

اکرم عالم، حیدرآباد

سید محمد عدیل سلیم، کراچی

جاوید جعفری، کراچی

سید ساجد حسین زیدی، ٹنڈو محمد خان

ریحان احمد، کراچی

صمیم الدین، کراچی

محمد جمیل احمد اعوان، ٹنڈو محمد خان

محمد علی، کراچی

شیراز علی نقوی، کراچی

فہیم الدین، کراچی

احسن احمد بیگ، کراچی

وحید افضل، کراچی

عاصم زرّین، کراچی

محمد خالد شہاب، کراچی

فریدالرحمٰن قریشی، کراچی

یاسمین جعفری، حیدرآباد

سید اطہر، کراچی

محمد عامر، کراچی

نعیم اختر، کراچی

آذر سلیم، کراچی

لحمینا

لحمیات (پروٹینز) کی کمی کو پورا کرنے
کے لیے ایک مکمّل غذائی ٹانک

روزمرّہ کی تھکا دینے والی مصروفیات اور ناقص غذا کے سبب
لوگ عام طور پر وقت سے پہلے ذہنی اور جسمانی ضعف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

صحت مند اور توانا رہنے کے لیے لازمی ہے کہ جسم کو ضرورت کے مطابق
لحمیات (پروٹینز) کاربوہائیڈریٹس اور دیگر اہم غذائی اجزا بہم پہنچائے جائیں۔

لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز اور کاربوہائیڈریٹس کا ایک
نہایت مفید و متوازن مرکب ہے جو غذائی کمی کو دور کر کے آپ کو زندگی کے
اعمال و وظائف پورا کرنے کی صلاحیت بخشتا ہے۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

لحمینا
خاندان کے ہر فرد کے لیے
ایک مکمّل غذائی ٹانک

آوازِ اخلاق
دیانت داری خود اعتمادی پیدا کرتی ہے

ADARTS-LA-1/83

تحفے

مُسکراتے جُملے — عظیم اقوال — انوکھے نکتے — دل چسپ تحریریں

سنہرے اقوال

مرسلہ: نوشابہ سلیم، کشمور

حضورِ اکرمؐ

- انصاف کی ایک گھڑی ستّر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔
- خوش اخلاقی کے بغیر کوئی شخص جنّت میں داخل نہ ہوگا۔
- کتنے مقدّس ہیں وہ آنسو جو کسی مسلمان کو تکلیف میں دیکھ کر دوسرے مسلمان کی آنکھ سے نکلے۔

ملٹن

- قوموں کے لیڈر ہمیشہ متوسط طبقے سے پیدا ہوتے ہیں۔

سموئیل

- تاریخ مشکل کا عذر کبھی تسلیم نہیں کرتی۔

نامعلوم

- انسان کے سارے رنج وغم صرف خواہشوں کے باعث ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

نامعلوم

- سب سے خندہ پیشانی سے ملو نہ جانے کس بھیس میں خدا مل جائے۔

۹ باتوں کا حکم

مرسلہ: نگہت رسول، راول پنڈی

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔

(۱) کُھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈروں۔

(۲) کسی پر مہربان ہوں یا کسی کے خلاف غصّہ میں ہوں دونوں حالتوں میں انصاف ہی کی بات کہوں۔

(۳) چاہے امیر ہوں یا فقیر راستی و اعتدال پر قائم رہوں۔

(۴) جو مجھ سے کٹے میں اُس سے جُڑوں۔

(۵) جو مجھے محروم کرے میں اُسے دوں۔

(۶) جو مجھ پر زیادتی کرے میں اُسے معاف کر دوں۔

(۷) میری خاموشی غور و فکر کی خاموشی ہو۔

(۸) میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو۔

(۹) میری گفت گو ذکرِ الٰہی کی گفت گو ہو اور نیکی کا حکم دوں اور بدی سے روکوں۔

دو باتیں

مرسلہ: سیّد آصف مصطفےٰ نقوی، کراچی

ایک بے روزگار سے کسی نے پوچھا، "آپ فوج میں بھرتی کیوں نہیں ہو جاتے۔ اس نے جواب دیا:

اِس میں دو باتیں ہیں۔ اگر میں بھرتی ہونے کے لیے گیا تو یا تو مجھے بھرتی کر لیا جائے گا یا نہیں۔ اگر بھرتی نہیں کیا تو ٹھیک۔ اگر کر لیا تو اس میں بھی دو باتیں ہیں: ملک میں امن ہے، مگر جنگ چھڑنے کا بھی خطرہ ہے۔ اگر امن رہا تو ٹھیک ورنہ اگر جنگ چھڑ گئی تو اس میں پھر دو باتیں ہیں: میں یا تو چھاؤنی میں رہوں گا یا پھر مجھے محاذِ جنگ پر بھیج دیا جائے گا۔ اگر میں چھاؤنی میں رہا تو ٹھیک ورنہ اگر میں محاذِ جنگ پر گیا تو اس میں بھی دو باتیں ہیں: یا میں زخمی ہو جاؤں گا یا نہیں۔ اگر زخمی نہ ہوا تو ٹھیک اگر میں زخمی ہو گیا تو اس میں بھی دو باتیں ہیں: یا تو میں مر جاؤں گا یا بچ جاؤں گا۔ اگر بچ گیا تو ٹھیک ورنہ اگر مر گیا تو اس میں بھی دو باتیں ہیں: یا میں جنّت میں جاؤں گا یا پھر دوزخ میں۔ اگر جنت میں گیا تو ٹھیک ورنہ اگر میں جہنّم میں گیا تو ایسی نوکری کا کیا فائدہ جو جہنم میں پہنچا دے۔"

ایک شعر

مرسلہ: بختیار شفیع، کراچی

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

—— علامہ اقبال

عمدہ باتیں

مرسلہ: اقبال صبا جمیل، گجرات

- لوگوں کے دِلوں میں خوشی کا کنول کھلانا بہت سی زیارتوں سے بہتر ہے۔
- انسان خود ہنسے یا نہ ہنسے دوسروں کے آنسو ضرور پونچھے۔
- خود اعتمادی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔
- جن لوگوں کے خیالات بہت اچھے ہوں وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔
- اپنے لیے سہارا مت ڈھونڈو دوسروں کے لیے سہارا بن جاؤ۔
- اندھیرے سے مت گھبراؤ، کیوں کہ ستارے اندھیرے میں چمکتے ہیں۔

موتی

مرسلہ: سید جاوید انور رضوی، کراچی

ڈرو ____ صرف خدا سے
لڑو ____ صرف بُرائی سے
مرو ____ صرف اللہ کی راہ میں
کرو ____ صرف نیک کام
چلو ____ صرف سیدھی راہ پر
ہنسو ____ صرف اچھے کام پر
بڑھو ____ صرف نیکی کی طرف
آؤ ____ صرف اللہ کے گھر میں
سناؤ ____ صرف اچھی بات
بتاؤ ____ صرف سچّی بات

نرمی

مرسلہ: فضل ربّی راہی، منگورہ سوات

ایک مرتبہ آنکھوں نے زبان سے پوچھا، "تجھ کو

ہر طرف سے دشمن گھیرے ہوئے ہیں اور دانتوں کی چھری ہر وقت تجھ پر تیز رہتی ہے تو اپنے بچاؤ کی کیا تدبیر کرتی ہے ؟"

زبان نے جواب دیا، "نرمی"

فلسفی نہیں

مرسلہ: ناظمہ ارم، کراچی

ایک فلسفی بازار سے گزر رہا تھا۔ اُس نے کولھو چلتے دیکھا اور دیکھا کہ بیل کے گلے میں گھنٹی بج رہی ہے۔ اس گھنٹی کا مقصد اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کولھو کا مالک فلسفی کو سوچ میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر بولا،

"کیا سوچ رہے ہو ؟"

فلسفی نے کہا، "بیل کا چلنا تو ٹھیک ہے، مگر اس گھنٹی کا کیا مقصد ہے ؟"

کولھو کے مالک نے جواب دیا، "یہ اس لیے کہ بیل اگر رُک جائے تو گھنٹی رُک جائے گی، ہم جان لیں گے، سو پھر آکر بیل کو ہنکا دیں گے۔"

فلسفی نے کہا، "تمھاری بات ٹھیک ہے، لیکن فرض کرو تم اندر ہو اور بیل ایک ہی جگہ کھڑا ہو کر سر ہلاتا رہا تو پھر ؟"

کولھو کا مالک برجستہ بولا، "جناب! یہ بیل ہے، فلسفی نہیں۔"

صحت کی باتیں

مرسلہ: شائستہ بیگم، ملیر کالونی

- جسم کا آرام کم خوری میں ہے، زبان کا آرام کم گوئی میں اور روح کا آرام کم خوابی میں ہے۔
- جو لوگ پیدل چلتے ہیں اُن کی صحت ہمیشہ اچھی رہتی ہے۔
- مسلمان اس وقت تک نہیں کھاتے جب تک بھوک نہ لگے اور جب کھاتے ہیں تو سیر ہو کر نہیں کھاتے۔
- پہلی غذا ہضم ہونے سے پہلے دوسری غذا کھانے سے ڈرتے رہیے۔
- اگر دانتوں کی صحت عزیز ہے تو زیادہ سخت، زیادہ گرم، زیادہ میٹھی چیزوں سے پرہیز کیجیے۔
- غذا کا مقصد زندگی برقرار رکھنا ہے، نہ کہ زندگی کا مقصد کھائے چلے جانا۔
- جاگنے، آرام کرنے، کھانے پینے اور موسم کے مطابق لباس پہننے میں باقاعدگی صحت کی بنیاد ہے۔
- لیموں کا استعمال اپنے صحت بخش اثرات کی وجہ سے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔
- ورزش کرنے والا اور تن درستی کے لیے جدوجہد کرنے والا ہمیشہ دانائی اور دُور بینی میں سبقت لے جاتا ہے۔
- معدے کو کسی قبض کُشا دوا کا عادی نہ بنائیے۔ یہ کام ورزش سے لیجیے۔
- اگر رات سوتے وقت ہاتھ پاؤں دھو لیے جائیں تو نیند میں بُرے خواب نہیں آتے۔
- دن چڑھتے وقت اور دن غروب ہوتے وقت سونے سے پرہیز کیجیے۔
- ٹھنڈا اور شیریں پانی پسندیدہ ہے۔ پانی کے برتنوں

کو ڈھک دیا کیجیے۔ کھلے پانی میں بیماری اور بلائیں داخل ہو جاتی ہیں۔

دوستی

مرسلہ: شیخ زبیدہ صدیق زیبی، میاں چنوں

دوستی تین باتوں سے مضبوط ہوتی ہے: دوست کو اچھے نام سے پکارو۔ کوشش کرو کہ سلام پہلے تم کرو۔ پہلے اس کو بٹھاؤ بعد میں خود بیٹھو۔ اس کے علاوہ اس کی غیر موجودگی میں ہمیشہ اس کی تعریف کرو اور اس کے ہر عمل کا شکریہ ادا کرو۔

بلا تکلف

مرسلہ: عائشہ، جے پور

ڈاکٹر صاحب مریض کو آپریشن روم میں لے جا چکے تھے۔ اچانک ڈاکٹر نے مریض کو مخاطب کر کے کہا: "میں آپ کو کسی غلط فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ ایک خطرناک آپریشن ہے۔ ایسے آپریشن میں پانچ آدمیوں میں سے صرف ایک ہی صحت یاب ہوتا ہے۔ اس سے قبل کہ میں اپنا کام شروع کروں اگر کوئی ایسی بات ہو جو میں آپ کے لیے کر سکوں تو بلا تکلف فرمادیں۔"

"میں آپ کا احسان عمر بھر نہیں بھولوں گا۔" مریض نے بلا تکلف جواب دیا، "میرے جوتے اور کپڑے منگوا دیجیے اور مجھے اجازت دیجیے۔"

روشنی کا پہاڑ

مرسلہ: یاسمین سلیمان، شہداد پور

آج برصغیر پاک و ہند میں کوہِ نور کے بہت چرچے ہیں۔ جس کی قیمت ۲۲ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے ہے۔ اس تاریخی اور نایاب ہیرے کے متعلق ایک دل چسپ واقعہ یہ ہے کہ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے ہندستان پر حملہ کیا۔ دہلی کو فتح کرنے کے بعد اسے 'کوہِ نور' کی تلاش ہوئی۔ شکست خوردہ فرماں روا مغل شہنشاہ سلطان محمد شاہ کسی قیمت پر یہ ہیرا کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے کوہِ نور چھپا دیا گیا۔ حرم کی ایک لونڈی کو کسی طرح پتا چل گیا کہ ہیرا کہاں ہے۔

لونڈی کو نادر شاہ سے محبت ہو گئی تھی۔ اس نے ایرانی حملہ آوروں کو بتا دیا کہ محمد شاہ نے ہیرا اپنے عمامے میں چھپا رکھا ہے۔ نادر شاہ نے ہیرے پر قبضہ کرنے کے لیے ایک عجیب چال چلی۔ اس نے فوراً رقص و موسیقی کی محفل آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ جب محفل شباب پر تھی تو اس نے محمد شاہ سے کہا، "تم جانتے ہو کہ شکست دینے کے بعد میں نے تمھارا ملک اور تخت و تاج تمھیں واپس کر دیا ہے۔ اس صلح اور بھائی چارے کی فضا کو قائم رکھنے کے لیے ہم اپنے عمامے بدل لیتے ہیں۔"

روایت ہے کہ جب نادر شاہ نے محمد شاہ کا عمامہ کھولا تو ہیرے کی چمک دمک دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا اور بے اختیار اس کے منھ سے نکلا، "خدایا! میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ یہ تو کوہِ نور (روشنی کا پہاڑ) ہے۔" اسی وقت سے اس ہیرے کو کوہِ نور کہا جانے لگا۔

ایک اچھا دوست

غلام محمد ٹالانی، حیدر آباد

ایک اچھا دوست وہ ہے جو اپنے دوست کی بات کو پوری طرح سے سُنے اور اسے شرمندگی سے بچائے۔

مُسکراتے رہو

ایک سائیکل سوار رات کو سڑک سے گزر رہا تھا۔ سڑک پر روشنی نہیں تھی۔ سپاہی سائیکل سوار کو روکتے ہوئے بولا، "روکو، روکو، تمھاری سائیکل میں بتی نہیں ہے۔"

سائیکل سوار بولا، "ہٹو بچو، میری سائیکل میں بریک بھی نہیں ہے۔"

مرسلہ: سید رضوان احمد زیدی، کراچی

میزبان: معاف کرنا، رات سردی کی وجہ سے دانت تو نہیں بجے؟

مہمان: پتا نہیں، کیوں کہ میرے دانت میز پر رکھے تھے۔

مرسلہ: محمد فقیر شاہد، کمالیہ

استاد: منفی کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جنس یکساں ہو۔ مثلاً ہم چار آدمیوں سے تین بیگن یا دس کتوں میں سے چھے آدمی نہیں نکال سکتے۔

شاگرد: لیکن جناب! ہم دو بھینسوں میں سے چھے کلو دودھ تو نکال سکتے ہیں۔ مرسلہ: ساجد محمود، لانڈھی

کاشف نے مُنّے کی ٹانگیں اوپر اور سر نیچے کر کے لٹکا رکھا تھا۔ جب ماں نے غصے ہو کر اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا، "کل ایک لڑکے کے پاس ایک بچے کی تصویر دیکھی جسے اُلٹا دیکھنے سے بُڈّھے کی تصویر بن جاتی تھی، مگر نہ جانے مُنّے کو اُلٹانے سے بُڈّھا کیوں نہیں بن جاتا؟"

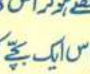

ماں: بیٹا، یہ کیسی ماچس لے آئے ہو اس میں ایک بھی تیلی نہیں؟

بیٹا: میں کیا بتاؤں؟ میں نے خریدتے وقت تمام تیلیوں کو جلا کر تسلی کر لی تھی کہ وہ جلتی ہے یا نہیں۔

مرسلہ: ظہور الدین ذکا، کراچی

ایک گورکن: (دوسرے گورکن سے) "سنا ہے شہر میں ایک ہزار بسیں اور چلنے والی ہیں؟"

دوسرا گورکن: خدا کرے یہ خبر صحیح ہو، ورنہ حکومت تو یونہی ہمیں خوش کرتی رہتی ہے۔ مرسلہ: محمد جاوید شفیع، کراچی

ایک انسپکٹر اسکول، اسکول کا معائنہ کرنے کے لیے آئے۔ انھوں نے ایک لڑکے سے پوچھا: "کتے کی کتنی ٹانگیں ہوتی ہیں؟"

"تقریباً چار۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "اور آنکھیں؟"

"کم سے کم دو۔" "اور دُمیں؟" "زیادہ سے زیادہ ایک۔"

انسپکٹر صاحب نے آخری سوال پوچھا: "اچھا یہ بتاؤ، کان کتنے ہوتے ہیں؟"

"تو کیا آپ نے واقعی ابھی تک کتا نہیں دیکھا؟" لڑکے نے حیران ہو کر پوچھا۔

ایک انسپکٹر اسکول، کسی اسکول میں معائنہ کرنے کے لیے آئے۔ ایک جماعت میں جا کر انھوں نے تختۂ سیاہ پر چاک سے لکھا: "ہم دوڑتا ہے۔" پھر انھوں نے ایک لڑکے سے پوچھا: "بتاؤ اس جملے میں کیا خرابی ہے؟"

"جی خط بہت خراب ہے۔" لڑکے نے اطمینان سے جواب دیا۔

مرسلہ: سید امین الدین، اسلام آباد

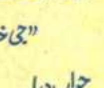

دو بے وقوف ایک مکان میں اکٹھے رہتے تھے۔ ایک دن کسی بات پر دونوں میں لڑائی ہو گئی اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی۔ پولیس نے دونوں کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک بے وقوف پھر دوسرے سے لڑنے لگا۔ دوسرے نے اسے جتاتے ہوئے کہا، "دوست یہاں تو مت لڑو۔ گھر سے تو نکلوا ہی دیا ہے۔ کیا اب یہاں سے بھی نکلواؤ گے؟"

مرسلہ: فاروق ندیم رحمانی، میاں چنوں

تمھیں اس الزام سے بری کیا جاتا ہے کہ تم نے دو عورتوں سے شادی کر رکھی ہے۔ اب تم اپنے گھر جا سکتے ہو۔

ملزم: جناب والا! کون سے گھر پہلی بیوی کے یا دوسری بیوی کے......

مرسلہ: محمد جاوید حسین، کراچی

ایک رات مُلّا نصر الدین کے گھر میں چور گھس آئے۔ مُلّا ڈر کر ایک الماری میں چھپ گئے۔ چوروں نے گھر کی تلاشی لینی شروع کی تو الماری بھی کھولی۔ وہاں مُلّا دبکے بیٹھے تھے۔ انھیں دیکھ کر چور ٹھٹکے۔ پوچھا: "میاں، چھپے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟" مُلّا کانپتے کانپتے کہنے لگے: "میں تو شرم کے مارے چھپتا پھر رہا ہوں۔ اس گھر میں کوئی بھی چیز نہیں ہے جو آپ کے قابل ہو۔"

مرسلہ: شائستہ بیگم، ملیر کالونی

ماں: بیٹا، ہمسائے سے پیالہ مانگ لاؤ۔

بیٹا: وہ پیالہ نہیں دیتے۔

ماں: بیٹا، کیسا خراب زمانہ آگیا ہے، ہمسائے کو ہمسائے کا خیال نہیں۔ جاؤ اپنی الماری میں سے ہی پیالہ نکال لاؤ۔

مرسلہ: عبدالرزاق، سکھر

نونہال مصوّر

عرفان اللہ المحمود، اسلام آباد

جاوید اقبال، لاہور

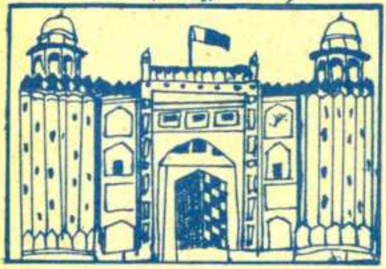

عامر بشیر، اوکاڑہ

رومانہ مختار کاظمی، کراچی

نجمہ خورشید، کراچی

محمد شعیب صدیقی

ہمدرد گھٹی

بچّوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹی نومولود بچّوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹی بچّوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

خوش ذائقہ

ہمدرد گھٹی

ہمدرد

نونہال ادیب

حمد

مرسلہ: محمد اسلام، لاہور

ہے ہر شے سے اعلا تری پاک ذات
بیاں ہم سے کیوں کر ہوں تیری صفات

کیا اِک اشارے سے پیدا جہاں
یہ خشکی تری یہ زمین آسماں

یہ پھل پھول یہ باغ پھلواریاں
ترے دستِ قدرت کی گُل کاریاں

ہمیں زندگی بھی عطا تو نے کی
کریں کیوں نہ پھر ہم تری بندگی

تری نعمتوں کا نہیں کچھ شمار
تُو ہے کُل جہانوں کا پروردگار

نعت

مرسلہ: وقار علی، کراچی

وہ روضہ نبیؐ کا مرے سامنے ہے
کہ کعبے کا کعبہ مرے سامنے ہے

برستی ہے دن رات رحمت کی بارش
وہ منظر سُہانا مرے سامنے ہے

مرے ہونٹ چومیں گے اس آستاں کو
ترا آستانہ مرے سامنے ہے

وقار ان کے قدموں میں سر اپنا رکھ دو
کہ محبوبِ داور مرے سامنے ہے

عظیم رہنما

مصطفیٰ چاند، عزیز آباد

بیسویں صدی عیسوی میں برِّصغیر پاک و ہند میں کئی مسلمان رہنما پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی ساری قوتیں قوم کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیں اور جنھوں نے قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور ان کے اندر آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ ان رہنماؤں میں قائدِ اعظم کا نام سرِ فہرست ہے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح کراچی میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم بھی یہیں سے حاصل کی۔ اس کے بعد وہ انگلستان چلے گئے اور وہاں سے قانون کی ڈگری لے کر واپس آئے۔ وہ قوم کے سچے ہمدرد تھے، چناں چہ انھوں نے اپنے آپ کو قومی

کاموں کے لیے وقف کر دیا۔

اس زمانے میں بھارت اور پاکستان ایک ملک تھے جس پر انگریزوں کی حکومت تھی ۔ ملک میں دو بڑی قومیں تھیں: ایک ہندو اور دوسرے مسلمان ۔ یہ دونوں اجنبی حکمرانوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ چناں چہ دونوں نے مل کر آزادی کے لیے جدوجہد شروع کر دی اور جب آزادی کے آثار نظر آنے لگے تو بعض ہندو رہنماؤں نے اکثریت کے بل بوتے پر اپنا راج قائم کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن اُن کی یہ چال کامیاب نہ ہو سکی ۔ قائدِ اعظم نے بہت کوشش کی کہ ہندو رہنماؤں کے ساتھ کوئی باعزت سمجھوتہ کر لیں، لیکن وہ نہ مانے ۔ چناں چہ قائدِ اعظم نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کیا اور اس بات پر زور دیا کہ ملک کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جائے ۔ ایک حصّہ مسلمانوں کو اور ایک حصّہ ہندوؤں کو دیا جائے ۔ آخر کار قائدِ اعظم کی محنت پھل لائی اور انگریزوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔

بالآخر ۱۴ ۔ اگست ۱۹۴۷ء کو برِّصغیر کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا اور ایک حصّہ مسلمانوں کو دیا گیا جس کا نام مسلمانوں نے "پاکستان" رکھا اور اس طرح مسلمانوں کی ایک عظیم اسلامی مملکت دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی اور قائدِ اعظم اس کے پہلے گورنر جنرل چُنے گئے ۔ کئی سال کی مسلسل جدوجہد کی وجہ سے قائدِ اعظم کی صحت گرتی گئی اور ۱۱ ۔ ستمبر ۱۹۴۸ء کو یہ عظیم رہنما خالقِ حقیقی سے جا ملا ۔

برِّصغیر کے مسلمان کسی طرح سے بھی قائدِ اعظم کا احسان نہیں بھول سکتے ۔ جنھوں نے قوم کو غلامی سے نجات دِلا کر آزاد وطن کی بنیاد رکھی ۔ خدا اس عظیم رہنما کو جنت الفردوس میں جگہ دے ۔ (آمین)

پرچم پاکستان کا

مرسلہ: غزالہ نیاز، ملیر کالونی

چاند سے اُجلا، جان سے پیارا پرچم پاکستان کا
روشن روشن، ایک نشاں ہے اپنی قومی شان کا
پرچم پاکستان کا
اس کے رنگ کی سبزی اپنے کھیتوں کی ہریالی ہے
اس کے ایک اک نقش میں ہم نے اپنی عظمت ڈھالی ہے
اُجلا اُجلا چاندی جیسا ماتھا ہر دہقان کا
پرچم پاکستان کا
اس کی چھاؤں میں ہنس ہنس کر ہم پاک ترانہ گاتے ہیں
اس کی ایک ایک لہر پہ اپنے جان و دل لہراتے ہیں
بستی بستی گلشن گلشن ایک چراغ ایمان کا
پرچم پاکستان کا
اس کے نیچے ایک ہوئے ہیں آزادی کے پروانے
اس پر خون و دل سے لکھے ہیں ہم نے اپنے افسانے
اس کو لے کر موڑ دیا رُخ ہم نے ہر طوفان کا
پرچم پاکستان کا

تہذیب کی آندھی

محمد جاوید شفیع، دہلی کالونی

وہ آرام کرسی پر بیٹھا تھا ۔ ریڈیو سے خوب صورت آواز

میں قومی نغمہ بج رہا تھا۔

آؤ بچو! سیر کرائیں تم کو پاکستان کی
جس کی خاطر ہم نے دی قربانی......

لیکن کسی نے ریڈیو بند کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی کیسٹ ریکارڈر سے تیز مغربی موسیقی کی آواز گونج اٹھی۔ وہ غصے سے کھول اٹھا۔ اس نے اُٹھنا چاہا، لیکن لرزتا ہوا واپس گر گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اب سے چالیس سال پہلے کے واقعات اس کے سامنے فلم کی طرح چلنے لگے۔

اس کا باپ سرکاری ملازم تھا اور انگریز حکومت کا سب سے بڑا حامی۔ ملک کے حالات روز بہ روز بگڑتے جا رہے تھے۔ آزادی کی تحریک تیزی سے پروان چڑھ رہی تھی، لیکن اس کے باپ کو اس چیز سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ وہ کہا کرتا تھا، یہ بھوکے ننگے لوگ کیا الگ وطن حاصل کریں گے۔

لیکن اس کی ماں کے خیالات اس کے برعکس تھے۔

ایک دن وہ کھڑکی میں کھڑا باہر جلوس کو دیکھ رہا تھا کہ پیچھے سے اس کی ماں نے آکر اپنا ہاتھ پیار سے اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا، بیٹا، اب تم بڑے ہو گئے ہو باہر نکلا کرو تاکہ فخر سے کہہ سکو کہ میں نے جنگِ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ دوسرے دن وہ گلی میں لڑکوں کے ساتھ نعرے لگا رہا تھا:

لے کے رہیں گے پاکستان
بٹ کے رہے گا ہندُستان

کہ اس کا باپ آگیا اور اسے گھسیٹتا ہوا گھر لے آیا اور لا کر اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے پر اس نے دیکھا کہ اس کی ماں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی ہے، پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی، بیٹا، یہ پہلی رکاوٹ تھی جو تم نے پار کی ہے۔ اسی طرح آگے بڑھتے رہو ایک دن ضرور اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ اس نے پوچھا، اماں، کیا ہم الگ وطن حاصل کر لیں گے؟ ہاں بیٹا، ہاں۔ اس کی ماں بولی، تم ضرور آزاد وطن حاصل کر لو گے۔ تمھارے پاس عزم ہے، حوصلہ ہے، قوتِ ایمانی ہے اور دوسرے دن سے وہ چھپ کر جلسے جلوس میں حصہ لینے لگا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے گھر میں نئی نئی تبدیلیاں آتی جا رہی تھیں۔ ایک دن اس کا باپ اور اس کے دوست کمرے میں بند تیز میوزک اور نشے میں دھت قہقہے لگا رہے تھے تو وہ اپنی ماں سے پوچھ بیٹھا اماں یہ کیا ہو رہا ہے۔ میرے ابّو کو کیا ہو گیا ہے؟ اس کی ماں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا، بیٹا، تمھارا باپ وطن فروش، ضمیر فروش ہے۔ دولت نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ وہ ایسی راہ پر لگ چکا ہے جہاں تباہی ہی تباہی ہے، لیکن میرے لال تم ان راہوں پر نہ نکلنا، ان راہوں پر جو گیا تباہ و برباد ہو گیا۔ نہ عزت رہی نہ وقار۔ یہ تہذیب تیز جھکڑوں کی طرح سب کچھ بہا کر لے جاتی ہے۔ بیٹا، تمھیں آزادی حاصل کرنی ہے، جہاں یہ سب کچھ نہ ہو جہاں لوگ دولت کے پیچھے دیوانے نہ ہوں گے۔ وہ ایک نیا وطن حاصل کرنے کے لیے شب و روز محنت کرتا۔ ہر آنے والا دن پاکستان کے تصور کو تابناک بنا رہا تھا۔ پھر خوابوں کی تعبیر کا وہ عظیم ترین دن آگیا۔ رمضان کے دن تھے۔ وہ روزے رکھ رہا تھا کہ ایک

آزاد وطن پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا۔ فاقہ زدہ چہروں پر خوشیاں رقص کر اٹھیں، لوگ سجدوں میں گر گئے۔ وہ جلدی جلدی بھاگتا ہوا گھر آیا۔ امی، پاکستان بن گیا۔ انھوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر بولیں، آج ہم چراغاں کریں گے۔

شام کو وہ چراغاں کر رہے تھے موم بتیاں دھیرے دھیرے پگھل رہی تھیں کہ گلی میں ایک شور بلند ہوا۔ وہ باہر آیا اور یہ دیکھ کر تڑپ اُٹھا کہ اس کے ابو کی لاش لوگ اٹھائے کھڑے تھے..... یہ کیسا چراغاں تھا۔ اس کی روح سلگ اٹھی۔ وہ بھاگتا ہوا ماں کے پاس آیا۔ ماں بولی، مجھے اپنے باپ کے پاس لے چل۔ اس نے انھیں سہارا دیا، لیکن... لیکن..... وہ راستے ہی میں اس کے ہاتھوں میں جُھول گئیں۔ وہ پاگلوں کی طرح چیخ اُٹھا اور پھر بے سُدھ ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ اسے سب یاد آنے لگا اور وہ سسکیاں لینے لگا۔ ایسے میں اس کے سامنے ایک پُرشفقت چہرہ آ گیا۔ یہ چہرہ محلّے کی ایک بوڑھی خاتون کا تھا جو اپنے دو جوان بیٹوں کو جنگِ آزادی میں قربان کر چکی تھی۔ انھوں نے اس کا چہرہ تھام لیا اور بولیں، ہم پاکستان چلیں گے۔

اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ پاکستان آ گیا۔ دکھی روح اور بوجھل دماغ کے ساتھ۔ خالہ جی نے اس کا دُکھ دیکھ کر اس کی شادی کر دی۔ آج اس کے بچّے تھے۔ گھر تھا۔ کاروبار تھا لیکن ...... جو تصور اس نے من ہی من میں بنا رکھا تھا وہ منہدم ہو چکا تھا۔ یہاں بھی مغربی تہذیب کی آندھی در آئی تھی۔ لوگ اسلامی تہذیب کو چھوڑ کر مغرب کی اندھا دھند تقلید کر رہے تھے۔ پاپ میوزک، فلمی گانے ریڈیو سے نشر ہوتے۔ لوگ ملکی مصنوعات کو چھوڑ کر غیر ملکی اشیا کی طرف متوجہ تھے۔ کیا یہ سب صحیح ہے۔ اس نے سوچا نہیں نہیں، آزادی کا مطلب بے لگام ہو جانا نہیں، لیکن یہی فضا آہستہ آہستہ اس کے اپنے گھر میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ چیخا، نہیں یہ نہیں ہو سکتا، لیکن اس کے بچّے کہتے ہیں ڈیڈی، ہم آپ کی طرح رہتے ہیں تو کوئی ہمیں قدامت پسند کہتا ہے، کوئی ہمارا مذاق اُڑاتا ہے۔ ڈیڈی، عزّت وقار سے جینے کے لیے یہ سب ضروری ہے۔ اور وہ سوچتا اچھا ہوا آج اماں زندہ نہیں۔ اگر وہ یہ سب دیکھتیں تو شاید پاکستان حاصل کرنے کا خیال تک دل میں نہ لاتیں۔ وہ مایوس ہونے لگا، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، نہیں، نہیں یہ خیالات اور حالات عارضی ہیں۔ جلد ہی ان کی اصلاح ہو گی۔ میرے بچّوں کو اور قوم کے تمام بچّوں کو ایک دن آزادی کے معنی معلوم ہو جائیں گے اور وہ پاکستان کو سچّا پاکستان بنائیں گے، جہاں انصاف ہو گا، جہاں انسان کی قدر ہو گی، جہاں محنت کی عظمت ہو گی۔ ایسا پاکستان میرے بچّے ہی بنائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

جشنِ استقلال

مرسلہ: ربیعہ رؤف، گوجرانوالہ کینٹ

سج دھج سے یہ جشن منائیں
خوشیوں کے ساغر چھلکائیں
خود جاگیں اوروں کو جگائیں
آزادی کے گیت سنائیں

یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک

عزم و عمل کیا خوب ہمارا
دیکھو تو اسلوب ہمارا
قرآں ہے محبوب ہمارا
پاک وطن مطلوب ہمارا

یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک

اس دن ہم آزاد ہوئے تھے
اُجڑے گھر آباد ہوئے تھے
گیت سحر کے یاد ہوتے تھے
اپنے پرائے شاد ہوئے تھے

یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک

صبح کے رنگیں چشمے پھوٹے
تاریکی کے بندھن ٹوٹے
چھوٹ گئے سب ساتھی جھوٹے
مہکے خوشیوں کے گُل بُوٹے

یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک

ہر دم اچھا کام کریں گے
ملک کا روشن نام کریں گے
نورِ صداقت عام کریں گے
کُفر کو زیرِ دام کریں گے

یہ دن اور یہ سال مبارک
جشنِ استقلال مبارک

کیڈٹ کالج پٹارو

خالد عبداللہ چاچڑ، شکارپور

کیڈٹ کالج پٹارو کے نام سے تو آپ بہ خوبی واقف ہوں گے۔ آیئے، میں آپ کو اس کالج کے بارے میں کچھ بتاتا چلوں۔ کیڈٹ کالج پٹارو، سندھ کا مشہور ترین کالج ہے۔ یہ کالج حیدر آباد سے اٹھارہ میل دُور اور جام شورو سے سات میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حیدر آباد سے قریب ہونے کی وجہ سے عام طور پر اسے حیدر آباد میں شامل سمجھا جاتا ہے، لیکن دراصل یہ کالج ضلع دادو کی حدود میں واقع ہے۔ یہاں جنگی جہازوں کا رن وے بھی ہے جو دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ کی حکومت نے تعمیر کروایا تھا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پٹارو کے نوعمر کیڈٹوں نے مسلح ہو کر اس کی حفاظت کی، تاکہ دشمن کا جہاز یہاں اُترنے نہ پائے۔

کیڈٹ کالج پٹارو میں اس وقت تقریباً چھے سو کیڈٹ زیرِ تربیت ہیں۔ یہاں چھے بڑے ہوسٹل اور ایک چھوٹا ہوسٹل ہے۔ بڑے ہاسٹل میں آٹھویں سے بارہویں جماعت تک کے کیڈٹ مقیم ہیں اور چھوٹے ہاسٹل میں ساتویں جماعت کے کیڈٹ مقیم ہیں۔

اس کالج میں داخلے کے لیے پورے پاکستان سے انتخاب ہوتا ہے۔ امیدواروں کا قابلیت کی بنا پر انتخاب ہوتا ہے۔ پچھلے سال صرف کراچی سے ساڑھے چھے سو

امیدواروں نے مقابلے کا امتحان دیا، جن میں سے چالیس کو داخلہ دیا گیا۔

کالج کا انتظام سنبھالنے کے لیے ہر لحاظ سے اچھے کیڈٹوں کو خاص عہدہ دیا جاتا ہے۔ ان عہدوں میں پریفیکٹ، سیکشن لیڈر، جونیئر انڈر آفیسر، سینیئر انڈر آفیسر، پریڈ کمانڈر اور اسٹک میجر قابلِ ذکر ہیں۔ نیا سال شروع ہوتے ہی کالج کا روزانہ کا پروگرام شروع ہو جاتا ہے۔ اس پروگرام میں وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ہر چیز وقت پر شروع ہوتی ہے اور وقت پر ختم ہوتی ہے، اس طرح کہ سیکنڈوں کا فرق بھی نہیں ہوتا۔ صبح سویرے سورج نکلنے سے چند منٹ قبل پریڈ کے لیے سیٹی بجتی ہے۔ سیٹی بجتے ہی کیڈٹ بستر سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور چند ہی منٹ بعد اپنے ہاسٹل کے سامنے تین قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہاسٹل کو عام طور پر ہاؤس کہتے ہیں۔ اب عہدیدار کیڈٹ ان کو پریڈ گراؤنڈ میں لے جاتے ہیں، جہاں نیوی اور آرمی کے آفیسر انھیں پریڈ کراتے اور سکھاتے ہیں۔ یہاں بہت چوکنا اور خوش لباس رہنا پڑتا ہے۔ اگر پریڈ یا یونی فارم میں کوئی خامی ہوتی ہے، تو سزا کے طور پر ایکسٹرا ڈرل کرائی جاتی ہے۔

پریڈ کے بعد سب کیڈٹ ایک بڑی میس میں جاتے ہیں، جہاں مقررہ وقت پر ناشتا کر کے کتابیں سنبھال کر اسمبلی ہال میں جمع ہو جاتے ہیں۔ عین مقررہ وقت پر کالج کے پرنسپل اور ایڈجوٹنٹ آتے ہیں اور اسمبلی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد قطاروں میں پریڈ کرتے ہوئے یہ نوجوان کیڈٹ جماعتوں میں مستعد بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ پڑھائی کا وقت ختم ہوتے ہی کیڈٹ اپنی کتابیں اپنے اپنے ہاسٹل میں رکھ کر مقررہ وقت پر مَیس میں جا کر کھانا کھاتے ہیں۔ ہر کھانے پر مَیس انچارج گھنٹی بجاتا ہے، جس کو سُن کر کیڈٹ مَیس میں جمع ہو جاتے ہیں۔

کھانے کے بعد آرام کا وقفہ شروع ہوتا ہے۔ کیڈٹ فوجی وردی اُتار کر عام کپڑے پہن لیتے ہیں بعض کیڈٹ آرام کرتے ہیں، بعض کیڈٹ کالج کی لائبریری میں مطالعہ کرنے چلے جاتے ہیں۔ بعض پڑھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ عام طور پر اس وقفے میں کیڈٹ گروپ بنا کر مختلف علمی و سائنسی موضوعات پر آپس میں تبادلۂ خیالات کرتے ہیں، جن سے اُن کا علم بڑھتا ہے۔ آرام کا وقفہ ختم ہوتے ہی سیٹی بجتی ہے اور سب کیڈٹ کھیلوں کا لباس پہن کر کھیل کے میدان میں پہنچ جاتے ہیں اور مختلف کھیلوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کھیلوں کے لیے ایک مربع میل کا علاقہ وقف ہے۔ سورج غروب ہوتے ہی کیڈٹ اپنے ہاسٹل پر لوٹ کر پڑھائی کے لازمی وقت کے لیے فُل سوٹ پہن کر، جو اُن کا پڑھائی اور ڈنر کا لباس ہوتا ہے، پڑھائی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد میس میں جاتے ہیں۔ رات کے کھانے کے آدھے گھنٹے بعد پھر پڑھائی کا وقفہ ہوتا ہے، اس کے بعد شب خوابی کا لباس پہن کر اس مصروف دن کو خیر باد کہہ کر دوسرے دن چمکتی صبح کا استقبال کرنے کے لیے سو جاتے ہیں۔

یہاں کئی قسم کی تقریبات بھی ہوتی ہیں۔ جن میں "یوم والدین" قابلِ ذکر ہے۔ یہ دن کیڈٹوں کے لیے عید کا سا دن ہوتا ہے۔ اس دن کیڈٹ پٹارو میں جو کچھ سیکھتے ہیں، اُس کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان میں پریڈ، عَلَم کی تبدیلی، پی ٹی جمناسٹک، گھڑسواری، تقاریر اور انعامات کی تقسیم وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ کیڈٹ کالج پٹارو میں کیڈٹوں کے اخلاق پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ اُنھیں ہر قدم پر اخلاق اور مہذّب رویّے کا دَرس دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سے نکلنے والے کیڈٹ انتہائی مہذّب، با اخلاق اور وقت کے پابند ہوتے ہیں اور شان دار زندگی بسر کرتے ہیں۔

نصیحت کا راز

انعام الحق اشرف، کراچی

حضرت عمرؓ دربارِ خلافت میں تشریف فرما تھے کہ ایک خاتون اپنے بچّے کو لے کر آئی اور کہنے لگی،

امیر المومنین! میرا بیٹا گُڑ زیادہ کھاتا ہے۔ گھر میں گُڑ نہیں ہوتا تو ضدّ کرتا ہے اور مجھے بہت زیادہ پریشانی اُٹھانی پڑتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے چند لمحے غور فرمایا اور کہا اپنے بیٹے کو ایک ہفتے بعد لے کر آنا۔

خاتون ایک ہفتے بعد پھر آئی۔ حضرت عمرؓ نے بچّے کو مخاطب کرکے فرمایا، "بیٹے گُڑ کم کھایا کرو اور ضدّ نہ کیا کرو۔ تمھارے اس عمل سے تمھاری ماں پریشان ہوتی ہے۔" اور بچّے کی ماں سے کہا، "اس کو لے جاؤ اب یہ پریشان نہیں کرے گا۔"

حاضرینِ مجلس نے عرض کیا:

"امیر المومنین! اتنی سی بات کہنے کے لیے آپ نے اس عورت کو ایک ہفتے انتظار کی زحمت دی۔ یہ بات آپ پہلے روز بھی فرما سکتے تھے۔" حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا، "اُس وقت میں خود گُڑ زیادہ کھاتا تھا، اب میں نے گُڑ کھانا کم سے کم کردیا اور ایک ہفتے تک اس پر عمل کرکے اس عادت کو پختہ کرلیا۔ پہلے ہی روز اگر مَیں بچّے سے یہ کہتا کہ تم گُڑ کم کھایا کرو تو اس بچّے پر میری نصیحت کا اثر نہ ہوتا اب اثر ہوگا اور وہ عمل کرے گا۔"

جلسہ تقسیم انعامات

سید فرحت جیلانی، کراچی

پچھلے دنوں ہمارے کالج میں ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں طلبہ کو ان کی بہتر کارکردگی پر انعامات دیے گئے۔ اس جلسے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہمارے ملک کے مایۂ ناز اور بین الاقوامی شہرت کے مالک جناب حکیم محمد سعید صاحب مہمانِ خصوصی تھے۔ جلسے کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا اور اس کے بعد چند نعتیں بھی پیش کی گئیں۔

تلاوتِ کلامِ پاک اور نعتوں کے بعد تقسیم انعامات کا سلسلہ شروع ہوا۔ کرکٹ، ہاکی، بیڈمنٹن وغیرہ کی ٹیموں کو جناب حکیم محمد سعید صاحب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے سرٹیفکٹ اور ٹرافیاں دیں۔

سراج الدولہ کالج کو اس بات پر بہت فخر ہے کہ حکیم صاحب تشریف لائے اور اسے شہرتِ دوام بخشی۔ حکیم صاحب نے اپنی پُر اثر تقریر میں طلبہ کے حقوق و فرائض پر مفصل طریقے سے روشنی ڈالی اور طلبہ کو اپنی خوب صورت اور مفید باتوں سے مستفید کیا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ طالبِ علم کی جد وجہد صرف حصولِ علم کے لیے ہونی چاہیے اور حصولِ علم کے لیے جذبہ کامل ہونا ضروری ہے۔ آج کا طالبِ علم کل کا معمارِ قوم ہے۔ اسی کے ہاتھوں ملک کی آئندہ تشکیل بھی ہونی ہے۔ طلبہ قومی شناخت ہیں اور اس شناخت میں جب تک علم کا جذبہ پوری طرح کارفرما نہیں ہوگا تو اس کے فرائض کی ادائی میں کوتاہی ہوگی۔

حکیم صاحب کی باتوں نے دل پر بڑا اثر کیا۔ ابھی تک تو صرف حکیم محمد سعید صاحب کو دیکھنے ہی کی آرزو تھی۔ اب تو مجھے فخر ہے کہ میں ان سے باتیں بھی کر چکا ہوں۔

خدا ہمارے ملک میں اگر دو چار شخصیتیں حکیم صاحب جیسی پیدا کر دے تو پھر کوئی طاقت ہمیں ترقی کی راہ پر چلنے سے نہیں روک سکتی۔

پہلی بار

راحیلہ خانم، دینہ جہلم

سب سے پہلے چائے کس نے بنائی؟

گرم مشروبات میں چائے دنیا میں سب سے زیادہ پی جاتی ہے۔ اس کی دریافت کا سہرا تیمور لنگ کے سر ہے۔ ایک مُہم کے دوران منگول فاتح تیمور (۱۳۳۶ء۔۱۴۰۵ء) کے لشکر میں گندے پانی کے استعمال کی وجہ سے وبا پھیل گئی اور آناً فاناً اُس کی فوج کے بیسیوں سپاہی موت کا شکار ہو گئے۔ تیمور کو چینی حکمت کے چند بنیادی اصول یاد تھے۔ چناں چہ اس نے اپنی فوج کو پانی اُبال کر پینے کا حکم دیا۔ پانی اُبالنے سے اُس میں موجود جراثیم مَر جاتے ہیں۔ اس طرح پانی صحت کے لیے مُضر نہیں رہتا۔ ایک سپاہی نے پانی کا ذائقہ بدلنے کے لیے اُس میں گُلِ نسرین کی پتیاں ڈال لیں۔ بعد ازاں منگولوں نے اِسے لوازماتِ خوراک میں شامل کر لیا۔

کالی چائے کی پتّی پینے کا رواج سترھویں صدی میں ہوا۔

سب سے پہلے آئس کریم کا استعمال کس ملک میں ہوا؟

سب سے پہلے آئس کریم تقریباً ... ۱ق م میں چین میں استعمال کی گئی۔ یہ سکندرِ اعظم کی پسندیدہ چیزوں میں سے ایک تھی۔ آئس کریم کو یورپی ممالک میں متعارف کرانے والا شخص اطالوی سیاح مارکو پولو تھا۔ جس نے ۱۲۹۲ء میں چین سے واپسی پر اپنے ہم وطنوں کو آئس کریم بنانے کا طریقہ سکھایا۔

بھارت کے پہلے مسلمان صدر کا نام بتایئے؟
ڈاکٹر ذاکر حسین ہندستان کے پہلے مسلمان صدر تھے۔

جاگو اور جگاؤ

مرسلہ: ریحان حق، کراچی

جاگو جاگو جاگو پیارے
جاگے دنیا والے سارے

دیکھو سورج چاند ستارے
سب کرتے ہیں تم کو اشارے

تم غفلت سے باز آ جاؤ
جاگو جاگو سب کو جگاؤ

بے کاری کا رونا کب تک
وقت کو اپنے کھونا کب تک

تکیہ اور بچھونا کب تک
جاگو، جاگو، سونا کب تک
اُٹھو اُٹھو اب اُٹھ جاؤ
جاگو جاگو سب کو جگاؤ

کوشش سے کچھ کرنا سیکھو
اپنے بَل پہ اُبھرنا سیکھو
صِرف خدا سے ڈرنا سیکھو
حق کی خاطر مرنا سیکھو
اچھی باتیں کرکے دکھاؤ
جاگو جاگو سب کو جگاؤ
قوم کی خدمت کرکے دکھاؤ
قوم کے بگڑے کام بناؤ

فضلو ہاری

احمد کمال صدیقی، کراچی

گاؤں سے ۳۰ میل کے فاصلے پر شہر تھا جہاں فضلو ہاری ہر ماہ اپنی فصل فروخت کرنے جاتا تھا۔ فضلو آج بھی اپنی بیل گاڑی پر گندم کی بوریاں لادے شہر کی طرف رواں تھا۔ اس کی گاڑی کچے راستے پر، جس کے دائیں بائیں گھاس اور ہرے بھرے درخت تھے، رواں دواں تھی۔ درختوں پر پرندے پہلے کی طرح آج بھی پَروں کو پھڑپھڑا کر فضلو کا استقبال کر رہے تھے۔ کچھ آگے فضلو کو وہی کالا اور سفید رنگ کا کتّے کا پلّا نظر آیا، لیکن آج اس نے پہلے کی طرح بھونک کر فضلو کی گاڑی پر اپنا غصّہ نہیں نکالا۔ آج وہ زخمی تھا اور درد سے کراہ رہا تھا۔ فضلو گاڑی سے اُترا اور کتّے کے پلّے کو اس نے گود میں اُٹھا لیا۔ پلّے کے کئی جگہ پر زخم تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُسے کسی بڑے جانور نے بھنبھوڑ ڈالا

ہو۔ فضلو کتے کو گود میں لیے گاڑی پر سوار ہو گیا۔
دن بھر کی مسافت کے بعد وہ شام کو شہر پہنچا۔ اس نے منڈی میں اپنے گندم فروخت کر دیے۔ رات وہ ہمیشہ کی طرح اپنے دوست کے گھر ٹھیر گیا۔ رات ہی کو اس نے پلّے کے زخموں کو دھویا اور مرہم لگا کر پٹّی کر دی۔
دوسرے دن صبح ہی صبح فضلو دوست کے گھر سے روانہ ہو گیا۔ اب فضلو کی گاڑی گاؤں کی طرف رواں تھی۔ پلّا فضلو کی بیل گاڑی پر بیٹھا دائیں بائیں گزرنے والے رکشاؤں اور ٹیکسیوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اور خوشی میں اپنی دُم بھی ہلا رہا تھا۔ کچھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد فضلو نے گاڑی موڑی۔ اب گاڑی کچے راستے پر چل رہی تھی۔ فضلو جب اُس مقام پر پہنچا جہاں سے اُس نے کتا پکڑا تھا۔ کتا جھٹ وہیں کُود گیا اور بھونکتا ہوا جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔
چند سال بعد فضلو شہر سے اپنی فصل فروخت کر کے آرہا تھا۔ اب وہ فضلو نہیں بلکہ گاؤں کا ایک بڑا زمیں دار فضل دین بن چکا تھا۔ اب ایک بیل گاڑی کے بجائے اس کے پاس چار بیل گاڑیاں تھیں جن میں وہ مختلف قسم کے اناج بھر کے فروخت کرتا تھا۔
ایک دن جب فضلو کی گاڑی ایک راستے سے گزر رہی تھی اور وہ اپنے پیسے گننے میں مگن تھا کہ ایک کڑک دار آواز نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا، "تمام رُپے میرے حوالے کر دو، ورنہ ......" اُس کو ایک چمکتا ہوا پستول نظر آیا۔ اس نامکمل جملے کا مطلب موت تھا۔ فضلو کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خاموشی سے اپنی کمائی اس کے حوالے کر دے۔ چناں چہ فضلو، ڈاکو کو رُپے حوالے کرنے ہی والا تھا کہ جھاڑیوں کی اوٹ سے ایک کالا سفید رنگ کا بڑا سا کتا نکلا اور اس نے ایک ہی جست میں رہزن کو جا لیا۔ بس فضلو نے موقع غنیمت جانا اور بیل کو مارنے والا موٹا سا ڈنڈا اُٹھایا اور گاڑی سے کُودتے ہی رہزن کے سر پر ایک ضرب لگائی جس سے وہ بے ہوش ہو گیا۔ فضلو نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور گاڑی پر لاد دیا۔ اب فضلو اُس طاقت ور سفید رنگ کے کتّے کو دیکھ رہا تھا جو کھڑا اپنی دُم ہلا رہا تھا یکایک کتا فضلو کی طرف دیکھ کر تین چار مرتبہ بھونکا اور پھر دوڑتا ہوا جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔
یہ وہی پلّا تھا جس پر فضلو نے احسان کیا تھا۔ آج اس نے فضلو کے احسان کا بدلہ اُتار دیا تھا۔

اوکاڑہ کی سیر

عظیم الرحمن صدیقی، لاہور

پیارے بچّو! ہمارے پاک وطن کا ہر شہر، قصبہ اور گاؤں ہمیں پیارا اور عزیز ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے وطن کے ہر گوشے سے واقفیت حاصل کریں۔ آپ نے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کی تو سیر بھی کی ہوگی اور اُن کے بارے میں بہت کچھ سُن بھی رکھا ہوگا۔

آئیے آج ہم آپ کو پنجاب کے اہم شہر اوکاڑہ کی سیر کراتے ہیں۔ ضلع اوکاڑہ لاہور سے ملتان جانے والی سڑک پر لاہور سے اسّی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اوکاڑہ صاف ستھرا شہر ہے۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی اور بہادر ہیں۔ ضلع اوکاڑہ کے لوگوں نے جنگِ آزادی کے موقع پر انگریزوں سے زبردست جنگ لڑی اور تحریکِ پاکستان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ ضلع اوکاڑہ کے لوگ زیادہ تر تجارت اور زراعت سے وابستہ ہیں۔

یہاں کی زمین زرخیز ہے۔ جس میں کسان گندم، کپاس، گنّا، چاول، مکئی، تمباکو اور سبزیاں کاشت کرتے ہیں۔ ضلع اوکاڑہ کے باغات دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ خاص طور پر مالٹے اور کینو کے باغ وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں پر جانور پالنے کے لیے فارم قائم ہیں، جہاں بھینسیں، گائیں اور گھوڑے پالے جاتے ہیں۔ یہاں کے یہ جانور اپنی اچھی نسل اور خوبیوں کی بدولت ملک بھر میں مشہور ہیں۔ اوکاڑہ میں پنیر، سوتی کپڑے، دودھ خشک کرنے، پھلوں سے رس نکالنے، ٹافیاں بنانے، کپاس بیلنے، تمباکو صاف کرنے اور پھلوں سبزیوں کو ڈبّوں میں محفوظ کرنے کے کارخانے ہیں۔ یہاں ایک پن بجلی گھر بھی ہے اور گھریلو دست کاریاں بھی یہاں قائم ہیں۔

ضلع اوکاڑہ میں دو دریا راوی اور ستلج بہتے ہیں۔ ان دریاؤں سے نہریں نکالی گئی ہیں، جن سے کھیتوں کو بھی سیراب کیا جاتا ہے اور شجرکاری بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے یہاں درخت کافی مقدار میں ہیں جس کی وجہ سے یہ ضلع ہرا بھرا ہے۔ یہاں کے لوگ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور مذہب سے بہت لگاؤ رکھتے ہیں۔ اوکاڑہ شہر میں مشہور بزرگ حضرت مولانا ضیاء الدینؒ کا مزار ہے۔ حضرت مولانا ضیاء الدینؒ بہت نیک دل بزرگ تھے۔ آپ نے ضلع کے لوگوں میں دینی شعور کی بیداری کے لیے بہت کام کیا۔ آپ نے طلبہ اور طالبات کے لیے یہاں دو اسلامی مدرسے قائم کیے، جو پنجاب میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اوکاڑہ کی گول مسجد فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ یہاں اسکول و کالج قائم ہیں جہاں طلبہ اور طالبات ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ فارغ اوقات میں بچّے اور نوجوان کبڈّی، ہاکی، فٹ بال اور کرکٹ کھیلتے ہیں۔ ضلع اوکاڑہ کی آبادی تقریباً ۱۵ لاکھ ہے۔ تو یہ تھا ضلع اوکاڑہ۔ کہیے کیسی رہی اوکاڑہ کی سیر۔

میرا باغ

مرسلہ: سہیل ساگر، راول پنڈی

بچّو! دیکھو میرا باغ
نکھرا نکھرا پیارا باغ

میرے باغ کا کیا کہنا
پھولوں کا ہے یہ گہنا

دیکھو اس کی آب کو تم
کھِلتے ہوئے گلاب کو تم

سیر کو اس کی جاتا ہوں
پھل میں اِس کے کھاتا ہوں

مہکی ہوئی چنبیلی ہے
چمکیلی البیلی ہے
کوئل اس میں آتی ہے
میٹھے بول سُناتی ہے
سبزہ بکھرا بکھرا ہے
کونا کونا نکھرا ہے
خوش بُو رنگ برنگے پھول
تتلی اور پتنگے پھول

بہادر شہزادہ

کامران احمد شیخ، دادو

کہتے ہیں کہ کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بہت رحم دل تھا۔ بادشاہ کے پاس سب کچھ تھا، لیکن ایک شے کی کمی تھی، وہ تھی اولاد۔ اولاد کے غم نے بادشاہ کو نڈھال کر دیا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے شاہی نجومی سے پوچھا کہ میری اولاد ہو گی یا نہیں؟ شاہی نجومی نے بتایا کہ اولاد تو ہو گی، لیکن آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ بادشاہ نے انتظار کیا۔

ایک دن بادشاہ کے ہاں ایک چاند سی شہزادی پیدا ہوئی۔ بادشاہ نے خوشیاں منائیں۔ ایک ہفتے تک جشن منایا گیا۔ بادشاہ نے شہزادی کی اچھی طرح پرورش کی۔ ایک دن بادشاہ نے سوچا کہ شہزادی اب بڑی ہو گئی ہے۔ اب اس کی شادی کرنا چاہیے۔ بادشاہ نے ساری دنیا کے شہزادوں کو دعوت دی۔ شہزادوں کی آمد سے ایک دن پہلے شہزادی اپنے باغ میں بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی کہ ایک شیطان چھم چھم جادوگر شہزادی کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس بات کی جب بادشاہ کو خبر ہوئی تو بادشاہ بہت پریشان ہوا کہ کل سب شہزادے آئیں گے تو کیا جواب دیا جائے گا۔ سوچ سوچ کر وہ دن گزر گیا۔

دوسرے دن سب شہزادے آئے تو بادشاہ نے انھیں ساری خبر بتا دی اور کہلوایا کہ جو بھی شہزادی کو اس ظالم کے قبضے سے چھڑا کر لائے گا شہزادی کی شادی اُسی سے کر دی جائے گی۔ کسی شہزادے نے جواب نہیں دیا صرف ایک بہادر شہزادے نے جس کا نام شہزادہ عمران تھا کہا کہ میں شہزادی کو چھڑوا کر لاؤں گا۔ یہ کہہ کر شہزادہ چل دیا۔ چلتے چلتے اسے ایک پری ملی، جس نے اُسے ایک انگوٹھی دی۔ اُس نے کہا ہر مشکل میں یہ کام آئے گی۔ یہ کہہ کر پری غائب ہو گئی۔ شہزادے نے انگوٹھی سے کہا کہ مجھے چھم چھم جادوگر کے پاس لے چلو۔ یہ کہہ کر شہزادہ اُڑ گیا اور تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گیا۔ شہزادے نے جاتے ہی محل میں شہزادی کو دیکھا۔ شہزادی نے کہا، جادوگر کی جان ایک غار میں بند پرندے میں ہے، جس کی حفاظت جن کرتا ہے۔ شہزادی نے کہا کہ اس وقت چھم چھم جادوگر نہیں ہے۔ اور یہی تمھارا موقع ہے۔ یہ کہہ کر شہزادی چُپ ہو گئی اور شہزادہ چل دیا۔ چلتے چلتے شہزادے کو وہی غار دکھائی دیا، جس کا پتا شہزادی نے اسے بتایا تھا۔ غار کے اندر داخل ہوا تو شہزادے نے جاتے ہی تلوار کا ایک وار جن پر کیا، جس سے جن مر گیا۔ اِدھر جادوگر

کو سب پتا چل گیا۔ جادوگر جیسے ہی غار کے اندر داخل ہوا شہزادے نے پرندے کا سَر قلم کر دیا اور جادوگر کا سَر بھی نیچے جا گرا۔ جادوگر کے مرتے ہی سارا جادو ختم ہو گیا اور شہزادہ شہزادی کو لے کر اُس کے ملک روانہ ہو گیا۔ چند دن بعد دونوں کی شادی ہو گئی اور وہ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

روٹی کی آپ بیتی

مرسلہ: محمد ندیم زبیری، فیصل آباد

ذرا ٹھیریے! اس سے پہلے کہ آپ مجھے اپنے خوب صورت، مگر تیز دانتوں سے چبا ڈالیں، میری بات سُن لیجیے۔ یہ جو آپ اتنے مزے سے میرے کئی بھائی بہنوں کو تناول فرما چکے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سوچا بھی ہے کہ ہم کتنی آزمائش سے گزر کر اس قابل ہوئے کہ آپ کی غذا بن سکیں۔ اگر ناگوار نہ ہو تو میری بھی داستان سُن لیں۔ شاید اس میں کوئی سبق آپ کے لیے پوشیدہ ہو۔

یہ گزشتہ سردیوں کے بڑے خوب صورت اور نیم گرم دن تھے جب ہم نے گندم کے دانوں کی شکل میں ہوش سنبھالا۔ اس وقت ہمارا رنگ سبز تھا اور ہم بے حد نرم و نازک تھے۔ قدرت نے ہماری حفاظت کے لیے ہمیں بالیوں میں چھپا رکھا تھا۔

ٹھنڈی ہوا، گرم دھوپ، کھاد اور پانی ہمیں بہ افراط مہیا تھے۔ اور ہم بڑی تیزی سے پروان چڑھ رہے تھے۔ سردیاں گئیں۔ بہار کا موسم آیا۔ سورج کی تپش میں اضافہ ہوا اور ہمارا رنگ سنہری سا ہوتا گیا۔ یہ ہمارے شباب کا زمانہ تھا۔ ہمارے دل خوشی اور مسرت سے معمور تھے۔ ہماری سنہری رنگت سونے کو شرماتی تھی۔ ہوا کے جھونکے بھی ہماری خوشی میں شریک تھے اور آتے جاتے ہم سے اٹھکھیلیاں کرتے تھے۔ ہم جھوم جھوم کر ہوا کی شوخیوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ آہ! ہم اپنے انجام سے کتنے بے خبر تھے۔

اور پھر ایک دن کسان آئے اور انھوں نے اپنی خوف ناک درانتیوں کی مدد سے ہمیں جڑوں سے جُدا کر دیا۔ خوشیوں اور بے فکری کا زمانہ جو بے حد مختصر تھا، ختم ہو گیا۔ اب ہم تھے اور آزمائشوں کا ایک طویل اور کٹھن سلسلہ تھا۔

پھر ہم سب کو ایک صاف ستھرے میدان میں لے جا کر ڈال دیا گیا۔ اور بیلوں کے کھُروں سے اتنا کچلا گیا کہ ہم تڑپ اُٹھے۔ اس طرح ہم کو بالیوں سے الگ کر دیا گیا۔ کچھ روز ہم دھوپ میں پڑے رہے۔ پھر ہمیں بوریوں میں بھرنا شروع کر دیا گیا۔ ہم سمجھے کہ شاید اب تکلیفیں ختم ہو جائیں گی، مگر وائے حسرت کہ یہ تو ابھی ابتدا تھی۔

چھکڑوں اور ریڑھیوں پر لاد کر ہمیں شہر کی منڈی میں لے جایا گیا۔ کافی عرصہ ہم بوریوں میں بند رہے۔ پھر ایک روز ہمیں ٹرکوں پر لادا گیا اور ہم کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ کر دیے گئے۔ ٹرک ایک بڑی عمارت کے پاس آ کر رُکے۔ یہ ایک فلور مل تھی، جہاں جدید ترین مشینوں کے ذریعے سے گیہوں کی صفائی اور پسائی ہوتی ہے۔ اب تو ہماری جان پر بن گئی۔

یہاں ہمیں قسم قسم کی مشینوں سے واسطہ پڑا مشینوں ہی کے ذریعہ سے ہماری صفائی کا آغاز ہوا۔ ہمیں بڑی بڑی مشینوں کے ذریعہ سے چھانا گیا تاکہ مٹّی اور پتھّر کے ٹکڑے، بھُس کے ذرّے اور دوسرا کوڑا کرکٹ الگ ہو جائے۔ پھر مشینوں ہی کے ذریعہ سے ہمیں دھویا گیا۔ جب ہم ہر طرح سے پاک صاف ہو گئے تو ہم نے سمجھا شاید اب مشکلات سے نکل آئے ہیں اور اب سُکھ چین کے ساتھ کہیں زندگی بسر کر سکیں گے، لیکن جلد ہی ہم پر انکشاف ہوا کہ ہماری اصل مصیبت کا آغاز تو اب ہو گا۔ ہمیں اُٹھا اُٹھا کر گندم پیسنے کی مشین میں ڈال دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا چند لمحوں کے بعد ہمارا جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اب وہ سفید خاک میں تبدیل ہو چکا تھا، جسے آپ لوگ آٹا کہتے ہیں۔

پیسنے کے بعد ہمیں پھر چھانا گیا۔ جو کچھ سخت حصّے ہمارے بچ رہے تھے اُن کو الگ کر دیا گیا اور پھر ہمیں کپڑے کے تھیلوں میں بھر دیا گیا اور آج آپ کے ہاتھوں اور منہ میں ہیں۔ دیکھا آپ نے ہم کتنی مصیبت اور آزمائشوں کے بعد اس قابل ہوئے کہ آپ کی غذا بن سکیں۔

ارے آپ بور ہونے لگے۔ لیجیے میری آپ بیتی ختم ہو گئی۔ آپ کی بھوک بھی چمک اُٹھی ہو گی۔ بسم اللہ کیجیے۔ ہم تو اپنی جان دے کر سرخرو ہوتے ہیں۔ آگے آپ جانیں اور آپ کا خدا جانے۔

پیاری چیزیں

مرسلہ: ندیم احمد خانزادہ، سکرنڈ

دُور کسی ندی کے کنارے
پھُول کھِلے دو پیارے پیارے
اور کسی قصبے سے آ کر
دو لڑکوں نے ہاتھ بڑھا کر
توڑ لیے وہ دونوں پھول
لگتے تھے جو سب کو پیارے
مٹ جاتی ہیں آخر ساری
چیزیں جو لگتی ہیں پیاری

ہیرے کی انگوٹھی

محمد اسلم قریشی، ہنڈوالہ یالہ

پرانے زمانے کی بات ہے ہندُستان کے ایک گاؤں میں ایک غریب مگر ایمان دار دھوبی، اپنی بیوی اور ایک بیٹے کے ساتھ رہتا تھا۔

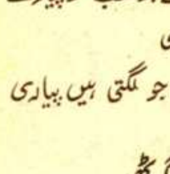

ایک دن اُس دھوبی کو ایک تین سالہ گُم شدہ بچّی ملی۔ بچّی بہت خوب صورت تھی۔ اُس کے گلے میں ایک قیمتی ہار تھا۔ دھوبی نے بچّی کے ماں باپ کو تلاش کیا، مگر اُن کا پتا نہ چلا۔ آخر اس نے بچّی کو اپنی بیٹی بنا لیا اور اُس کا نام نور جہاں رکھ دیا۔ نور جہاں جوں جوں بڑی ہوتی گئی نیک اور ذہین ثابت

ہوئی۔ وہ گھر کے ہر فرد کا خیال رکھتی۔ گھر کے کام کاج میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی۔ دھوبی اور اُس کا بیٹا صبح سویرے گھاٹ پر کپڑے دھونے جاتے اور شام کو گھر لوٹتے۔

روز کی طرح ایک دن وہ کپڑے دھو رہے تھے کہ انھیں ایک زنانہ لباس سے ہیرے کی انگوٹھی ملی۔ وہ اتنی خوب صورت انگوٹھی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دھوبی ایمان دار تھا، اس لیے اُس نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا کہ انگوٹھی جس کی ہے وہ اُس کے مالک کو ضرور واپس کر دے گا۔

کام سے فارغ ہو کر وہ جب گھر پہنچے تو دھوبی نے اپنی بیوی اور اپنی بیٹی نور جہاں کو انگوٹھی دکھائی۔ وہ اس خوب صورت انگوٹھی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ نور جہاں نے اپنے باپ سے کہا، "آپ صبح کو انگوٹھی واپس کرنے جائیں تو مجھے بھی ساتھ لے جائیں تاکہ میں بھی دیکھوں کہ اتنی قیمتی انگوٹھی پہننے والی کس قدر خوب صورت ہے۔"

صبح کو دھوبی نے وہ کپڑے لیے جن میں سے انگوٹھی برآمد ہوئی تھی اور نور جہاں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ اُس وقت نور جہاں نے وہ ہار بھی پہن رکھا تھا جسے وہ بچپن سے اپنے پاس سنبھال کر رکھتی آئی تھی۔ یہ کپڑے دھوبی نے نواب صاحب کے محل سے لیے تھے جہاں نواب صاحب اپنی اکلوتی بیٹی کے ساتھ رہتے تھے۔ محل کے دروازے پر چوکی دار کھڑا تھا۔

دھوبی نے چوکی دار کو بتایا کہ وہ نواب صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ چوکی دار نے کہا، "تم یہیں ٹھیرو، میں نواب صاحب سے اجازت لے کر ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر چوکی دار محل کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور انھیں اپنے ساتھ محل کے اندر لے گیا۔ محل بہت خوب صورت تھا۔ نواب صاحب نے بوڑھے دھوبی اور اس کی خوب صورت لڑکی کو دیکھا، جس کی شکل ہو بہو ان کی بیٹی سے ملتی جلتی تھی۔ نواب صاحب نے لڑکی کو اپنے قریب بُلایا اور وہ اس کے گلے میں پہنے ہوئے ہار کا بڑے غور سے جائزہ لینے لگے۔ نواب صاحب کے چہرے سے اچانک خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ نواب صاحب نے خوشی سے چیخ کر کہا، "میری بیٹی!" اور پھر اُسے گلے لگا لیا۔

نواب صاحب نے دھوبی سے کہا، "میں تمھارا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا، کیوں کہ تم نے میری بیٹی کو مجھ سے مِلا دیا۔" دھوبی خاموش کھڑا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا، "نواب صاحب! مجھے اِن کپڑوں سے ہیرے کی انگوٹھی ملی ہے۔" نواب صاحب نے انگوٹھی دیکھ کر کہا، "یہ میری بیٹی کی ہے۔" نواب صاحب دھوبی کو بتانے لگے، "یہ دونوں میری جڑواں بیٹیاں ہیں۔ ان کے پیدا ہونے کے ایک سال بعد ان کی ماں کا انتقال ہو گیا اور اس کے تقریباً دو سال بعد یہ بیٹی بھی مجھ سے بچھڑ گئی۔ اب یہ سولہ سال بعد مجھے ملی ہے۔" اس کے بعد نواب صاحب نے دھوبی، اُس کی بیوی اور بیٹے کو بھی

اپنے پاس بُلا لیا۔ محل میں اُن کے رہنے کا انتظام کر دیا اور کہا، "تم یہاں آرام و سکون کی زندگی بسر کرو۔"

وہ آنے والا ہے

شیخ عارف حسین صدیقی، سکھر

اُف خدایا! اب کیا ہو گا؟ وہ آنے والا ہے۔ خدا کرے وہ نہ آئے، لیکن وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ آئے گا تو کیا ہو گا؟ میں کسی کو منھ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اُس کا بدلا وہ مجھے ہر حال میں دے گا، کبھی معاف نہیں کرے گا اور مجھے سارا دن کمرے میں بند رہنا پڑے گا۔ میرے دوست میرا مذاق اُڑائیں گے۔ گھر والے بھی میری خوب خبر لیں گے اور ابّا جان کے ساتھ چھٹیوں میں کوئٹہ جانے کا پروگرام بھی منسوخ ہو جائے گا۔ یہی نہیں، ہر قسم کی تفریح کو میں ترس جاؤں گا۔ اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ میں نے کیا کیا۔

موسم گرما کی تعطیلات میں بھی نہ گلی میں کھیل سکوں گا اور نہ دوستوں کے ساتھ گھومنے جا سکوں گا اور جب وہ آئے گا تو مجھ پر مصیبتوں کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا، لیکن اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ ضرور آئے گا اور ہو گا یہ کہ میں اگلی جماعت میں نہیں چڑھ سکوں گا۔ سب کے سامنے مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ کاش! یہ تمام باتیں میں پہلے سوچ لیتا اور اس کے استقبال کی تیاری کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کر لیتا۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ وہ کون ہے؟ آخر میں اس سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہوں، کیا وہ میرا کوئی دشمن ہے؟ جی نہیں، یہ بات نہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں تاکہ کم از کم آپ اس سے خوف زدہ نہ ہوں اور اس کے خیر مقدم کے لیے کچھ نہ کچھ کر لیں۔ تو جناب! وہ "امتحانی نتیجہ" ہے۔ امتحان کا نتیجہ جس کے خیال سے ہی میں کانپ رہا ہوں، کیوں کہ میں نے سارا سال کوئی کتاب کھول کر بھی نہیں دیکھی تھی۔

ہم نے چور پکڑا

ابن شہباز خان، کراچی

رات کے تقریباً دس بجے تھے۔ ٹیلے وژن پر ایک دل چسپ ڈراما آ رہا تھا، جسے سب گھر والوں کے ساتھ میں بھی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے پیاس محسوس ہوئی۔ میں پانی پینے برآمدے میں پہنچا۔

پانی پی کر جب واپس جانے لگا تو مجھے کسی چیز کا سایہ ایک کمرے کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ یہ دیکھ کر میں چونک گیا اور دل میں ڈرا بھی کہ نہ جانے یہ کیا چیز ہے؟ چونکہ برآمدے میں روشنی ناکافی تھی اس لیے وہ چیز صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ آخر دل کو کڑا کر کے میں دبے پاؤں اس طرف بڑھا۔ جب فاصلہ ذرا کم ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک انسانی سایہ تھا اور یہ انسان ایک چور تھا، جس نے سوائے آنکھوں کے سارے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ چور کو دیکھ کر میری "رگِ جاسوسی" پھڑک اُٹھی۔ میں بغیر آواز پیدا کیے اس کی

پشت پر پہنچ گیا، لیکن پھر بھی کچھ آواز پیدا ہو گئی۔

چور بجلی کی سی تیزی سے مُڑا، لیکن یہ پھُرتی اس کے لیے مصیبت بن گئی۔ مُڑتے ہی اس کا پاؤں پھسلا اور وہ دھڑام سے فرش پر گر گیا۔ یہ دیکھ کر میں شیر ہو گیا اور اپنی بہادری دکھانے کے لیے چور پر چھلانگ لگا دی۔ بے چارا چور فرش پر سَر ٹکرانے سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ ہنگامے کی آواز سُن کر سب گھر والے دوڑے آئے۔ جب وہ ہمارے قریب پہنچے تو میں چور کے اوپر سے ہاتھ جھاڑتا ہوا اُٹھ رہا تھا۔ سب گھر والے ہمیں حیرت سے تک رہے تھے۔

میں نے انھیں اپنی بہادری کی جھوٹی داستان سناتے ہوئے کہا: "ٹیلے وژن پر ڈراما دیکھتے دیکھتے جب مجھے پیاس لگی تو میں پانی پینے باہر چلا آیا۔ یہاں آ کر میری نظر اس چور پر پڑی، یہ دبے پاؤں ایک کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے سوچا اس کے ارادے تو بڑے خطرناک ہیں، اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے۔ بس پھر کیا تھا یہ سوچتے ہی میں اسے للکارتا ہوا اس پر کسی عقاب کی مانند جھپٹ پڑا اور ایک دو گھونسوں میں ہی اسے فرش پر گرا دیا۔ آپ خود دیکھ لیجیے، بالکل کسی افیمی کی طرح بے سُدھ پڑا ہے۔" یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور سب لوگ میری تعریفیں کرنے لگے: "واہ بھئی! اتنے سے لڑکے نے اتنے بڑے چور کو مار کر بے ہوش کر دیا۔" اس دن سے میری "بہادری" کا چرچا پورے محلّے میں ہو گیا۔

ہم بھی بزرگ بنے

مرتضیٰ احسن، کراچی

مجھے بزرگ بننے کا بہت شوق تھا، کیوں کہ بزرگ بننے کے لاتعداد فائدے ہوتے ہیں۔ اسی لیے میں کبھی کبھی سوچتا کہ "کاش میں بزرگ ہوتا۔" ایک دن میری یہ خواہش پوری ہو گئی۔ ہوا یوں کہ ابّو کے دفتر جانے کے بعد امّی بھی اپنی ایک سہیلی کے ساتھ شاپنگ کرنے چلی گئیں۔ جاتے وقت مجھے اپنے چھوٹے بھائیوں کا خیال رکھنے کی تاکید کر گئیں۔ چناں چہ امّی کے جانے کے بعد میں نے تین سالہ منّی، پانچ سالہ بیّو اور سات سالہ گڈّو کو بُلا کر کہا، "گڈّو اور بیّو! امّی مجھے تمھارا خیال رکھنے کے لیے کہہ گئی ہیں۔ اس لیے آج کے دن تم مجھے اپنا بزرگ سمجھو اور میرا اسی طرح کہنا مانو جس طرح تم ابّو کا مانتے ہو۔"

"ٹھیک ہے!" سب نے اقرار کرتے ہوئے حامی بھری اور میں خوش ہو گیا۔ میں نے اُن دونوں سے کہا، "گڈّو، تم اپنا ہوم ورک کرو اور بیّو تم منّی کو بہلاؤ۔" میں دونوں کو یہ حکم دینے کے بعد دوسرے کمرے میں آ کر "نونہال" کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد گڈّو دوڑتا ہوا آیا اور کہا، "بھیّا، بھیّا مجھے ایک کاپی خریدنی ہے۔ پیسے دے دیں۔" میں نے امّی کے پرس میں دیکھا تو اس میں پیسے نہیں تھے۔ اس لیے مجبوراً مجھے اپنی جمع پونجی میں سے پیسے دینے پڑے۔ کچھ دیر بعد اچانک منّی کے رونے کی آواز آئی۔ میں چونک کر دوسرے کمرے میں بھاگا۔

معلوم ہوا کہ مُنّی کے پاؤں سے پپّو کے بنائے ہوئے شربت کا گلاس گر گیا، جس کی وجہ سے شربت گر گیا تھا اور پپّو نے منّی کو تھپّڑ مار دیا تھا۔ میں نے پپّو کو ڈانٹا اور ایک تھپّڑ بھی جڑ دیا۔ تھپّڑ مارنے سے وہ اتنے زور زور سے رویا کہ میرے سر میں درد ہو گیا۔ اسے چُپ کرانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ بپھرے ہوئے بِلّے کی طرح ناراض تھا اور مسلسل رو رہا تھا۔ آخر میں نے اسے ایک رُپیہ دیا تب چُپ ہوا، مگر اب گڈّو بھی رُپیہ لینے کی ضد کرنے لگا۔ میں نے انکار کیا تو وہ باغی ہو گیا۔ آخر اسے بھی ایک رُپیہ دینا پڑا۔ دونوں بھائی رُپیہ لے کر باہر چلے گئے۔ منّی ابھی تک ہلکی آواز میں رو رہی تھی۔ میں نے مُنّی کو چپ کرانے کے لیے دودھ کی بوتل دینا چاہی، لیکن بوتل میں دودھ نہیں تھا۔ مزید ستم یہ کہ بوتل بھی دُھلی ہوئی نہیں تھی۔ میرا اب بوتل دھونے اور دودھ بنانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ چناں چہ میں نے سوچا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اسی لیے آدھے کام ابّو کو اور آدھے کام امّی کے سپرد کیے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد گڈّو اور پپّو دونوں آگئے۔ میں نے گڈّو سے کہا کہ دودھ کی بوتل دھوئے، لیکن اس نے جواب دیا، "بھائی جان! مجھے تو اپنا ہوم ورک کرنا ہے۔" اسی کش مکش میں تھا کہ میرا دوست بھولو آگیا۔ بھولو نے آتے ہی کہا، "مرتضیٰ بھائی، کیا کر رہے ہو؟" میں نے جواب دیا، "بھولو، تم اپنے گھر جاؤ، میں ایک ضروری کام کر رہا ہوں۔"

بھولو بولا، "بھائی! میں تو تمھارے ساتھ کھیلنے آیا ہوں۔" اچانک ایک خیال آیا اور میں نے اُسے اپنی تمام پریشانی بتائی۔ آخر بھولو دودھ کی بوتل دھونے پر تیار ہو گیا۔ منّی اب چُپ ہو گئی تھی۔ چناں چہ میں نے "ہمدرد نونہال" اُٹھایا اور دوبارہ کمرے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک زوردار دھماکا سُن کر میں بھاگتا ہوا باورچی خانے میں پہنچا اور میں نے جب باورچی خانے کا منظر دیکھا تو میرے حواس جاتے رہے۔ بھولو باورچی خانے کے سب سے اوپر والے تختے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اس کا پورا منھ اور دونوں ہاتھ چینی سے بھرے ہوئے تھے اور برتنوں والی الماری گر چکی تھی جس کی وجہ سے چینی اور شیشے کے تمام برتن ٹوٹ چکے تھے۔ اچار کا مرتبان اوندھا پڑا تھا اور گھی کے ڈبّے میں سے گھی نکل کر سارے فرش پر پھیل چکا تھا۔ میں نے غصّے میں ایک چھڑی اُٹھائی اور بھولو کو زور سے ماری۔ بھولو چیخ مار کر میرے اوپر آگرا۔ اب ہم دونوں ایک دوسرے گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ گھی اور اچار سے ہمارے چہرے خراب ہوتے جا رہے تھے۔ اسی وقت امّی شاپنگ سے واپس آگئیں۔ انھوں نے جب ہماری یہ حالت دیکھی تو غصّے سے ہمیں آواز دی۔ امّی کی آواز سُن کر میرے بچے کھچے حواس بھی جاتے رہے۔ اب امّی نے.....

بس آگے حال نہ پوچھیں۔ بس اتنا بتا دوں کہ میں دو ہفتے تک اور بھولو تین ہفتے تک اسکول نہ جا سکا۔

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں: ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

کشادہ: (ف) کُشا دَ ہ کھلا ہوا، چوڑا، پھیلا ہوا، وسیع، فراخ۔

مُنہدم: (ع) مُن ھَدِ م مسمار، خراب، ویران، برباد۔

گھمنڈ: (ھ) گھ مَنڈ تکبر، غرور، فخر، ناز، شیخی۔

راہب: (ع) رَ ا ہِب تارکِ دنیا، پادری۔

محافظ: (ع) مُ حا فِظ نگراں، چوکی دار، پاسبان، دربان، سرپرست۔

تاوان: (ف) تا وَ ان جُرمانہ، بدلا، ڈنڈ، وہ رقم جو شکست خوردہ ملک فاتح ملک کو ادا کرتا ہے۔

مقولہ: (ع) مَ قُو لَہ قول، بات، بیانیہ جُملہ، کہنا۔

جاں باز: (ف) جا ں باز جان پر کھیل جانے والا، بڑا محنتی۔

یکتا: (ف) یک تا جو صرف ایک ہو، بے نظیر، بے مثال۔

سائل: (ع) سا اِ ل سوال کرنے والا، پوچھنے والا، چاہنے والا، بھکاری، امیدوار، عرضی دینے والا۔

مَسند: (ع) مَس نَد تکیہ لگا کر بیٹھنے کی جگہ، وہ فرش جس پر امیر لوگ بیٹھتے ہیں، گدّی۔

عرش: (ع) عَر ش تخت، چھت۔

مرتبت: (ع) مَر تَبَت مرتبہ، درجہ، عزت کے لیے استعمال کرتے ہیں، جیسے عالی مرتبت یعنی بڑے مرتبے والا۔

عظمت: (ع) عَظ مَت بڑائی، برتری، بزرگی، شان و شوکت۔

لالہ زار: (ف) لا لَہ زار باغ، گلزار، چمن، وہ کھیت جس میں لالے کے پھول بہ کثرت ہوں۔

سُو: (ف) سُو سمت، طرف، جانب۔

گوہر: (ف) گو ہَر موتی، جوہر، قیمتی پتھر، مروارید۔

مستفید: (ع) مُس تَ فِید فائدہ چاہنے والا، فائدہ اٹھانے والا۔

مکّار: (ع) مَک کا ر مکر کرنے والا، دغاباز، دھوکے باز، فریبی، چال باز۔

خوں خوار: (ف) خُوں خوا ر ظالم، جلّاد، غصّے میں بھرا ہوا، لہو پینے والا۔

منجدھار: (ھ) مَنج دَ ھار، مَنجھ دَ ھار سمندر یا دریا کے بیچ کی دھار، مصیبت، عین مصیبت کی جگہ۔

داور: (ف) دَا وَ ر منصف، حاکم، عادل، خدا۔

شفقت: (ع) شَف قَت مہربانی، غم خواری، رحم۔

دوام: (ع) دَ وَ ام ہمیشہ رہنا، ہمیشگی۔

بزمِ نونہال

* مجھے نونہال سے اتنا پیار ہے جتنا پیار ایک ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔ اٹھائیس انتیس دن تک انتظار کی جاں بلب گھڑیاں گزارنے کے بعد پہلی تاریخ کو میرے قدم سوئے بازار اس تیزی سے اُٹھتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو شک گزرتا ہے کہ میرے پاؤں بجلی سے چل رہے ہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ اگر ایسے وقت میں کوئی ہرن مجھ سے آگے نکلنے کی کوشش کرے تو ناکامی کا منھ دیکھے۔ بک اسٹال میں جاتے ہی نونہال پر اس طرح لپکتا ہوں جس طرح کئی روز کا بھوکا شیر اپنے پہلے شکار پر لپکتا ہے اور جس طرح کئی روز کا بھوکا شیر اپنے پہلے شکار کو منٹوں میں ہڑپ کر جاتا ہے اسی طرح میں انتیس دن کا بھوکا نونہال کو پہلی ہی تاریخ میں چٹ کر جاتا ہوں، لیکن مدتوں کے بھوکے شیر کو ایک بکرا کھا کر سیری حاصل نہیں ہوتی اسی طرح میں بھی نونہال کی ہر کہانی کو پندرہ بیس مرتبہ پڑھنے کے بعد بھی تشنہ رہ جانے کا گلا اپنے آپ سے کرتا نظر آتا ہوں۔ اس مرتبہ کا نونہال بھی اپنی نظیر آپ تھا۔ کاغذی آکاش پر تمام کہانیاں درخشاں ستارے تھے اور ان ستاروں کے درمیان "پھول کملاتے ہیں" چودھویں کا چاند تھا۔ اس کے علاوہ "ہنرمند بھائی" اور اسلم لودھی کی "امانت" پسند آئی۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کا سبق آموز مضمون "تین طاقتیں" پسند آیا۔ اس مضمون سے متاثر ہو کر میں نے ایک نظم لکھی ہے جو میں آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ محمد متین ذاکر، اورنگی

> آپ کی نثر، نظم سے اچھی ہے۔ آپ نثر ہی لکھا کریں۔

* جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ جو کہ رمضان شریف کے بارے میں تھا بے حد پسند آیا۔ پھول کملاتے نہیں، پیغام رساں بوتلیں، گلدار، اور ہنرمند بھائی اچھی تحریریں تھیں۔ نظموں میں "پانی" اور "گرمی کا گیت" لاجواب تھیں۔ ندیم احمد خانزادہ، بشیر اقبال خانزادہ، دولت پور

* مئی کا شمارہ بہت خوب صورت تھا۔ یہ دیکھ کر رونا آتا ہے کہ اکثر نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ آپ کراچی والوں کو چھاپتے ہیں اور دوسرے شہروں کو نہیں چھاپتے، لیکن ہم کراچی میں بھی رہتے ہوئے ردی کی ٹوکری ہمارے خطوں کو کھا جاتی ہے۔ کاشان احمد، لانڈھی

* آپ نونہال میں ایک صفحہ ناقابلِ اشاعت چیزوں کے لیے مقرر کر دیں۔ محمد اعظم مشرف خان، کراچی

> اچھا، غور کرتے ہیں۔ اب تک تو یہ خیال تھا کہ یہ طریقہ کچھ اچھا نہیں ہے۔

* ۱۹۸۲ء کے سارے نونہال پسند آئے۔ ۸۴ء کے نونہال سب بکواس اور بور تھے۔ جیسے ۸۳ء کے ہمدرد نونہال کے اندر تصاویر تھی ویسی دیا کریں۔ مسکراتے رہو کو ہٹا کر منو بچو منو جیسا منفرد نام رکھ دیں۔ زیادہ تر پریوں کی کہانی دیا کریں۔ میں یہ لطیفہ بھیج رہا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں آپ کتنی جلدی شائع کرتے ہیں۔

علی محمد، ملیر توسیعی کالونی

* ہمدرد نونہال ایک ایسے گلستان کی مانند ہے جس میں دل کشی ہے، رعنائی ہے، جان بہت ہے۔ جس کے ہر ذرّے سے ادب کے رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ ایسا چمن جس میں نصیحتوں کی جھاڑیاں ہیں، معلومات کے پیڑ ہیں جن میں علوم و فنون کے پھل لگے ہیں جنھیں جو چاہے توڑ کر فیض حاصل کر سکتا ہے۔ جس میں اسلامی تعلیمات کے رنگ برنگے پھول کھلے ہیں جن سے سارا گلشن معطر ہے جو صدائے عام دیتے ہیں کہ ہمیں اپنا لو دنیا تمھاری ہو گی، آخرت تمھاری ہو گی اور تم دونوں جہانوں میں سرخُرو ہو گے۔ نونہال میں سنگِ مرمر سے بنا ایک محل ہے جس سے شعاعیں پھوٹتی ہیں جو پکار پکار کر کہتی ہیں جاگو جگاؤ، جاگو جگاؤ، اور کامیاب ہو جاؤ۔ نونہال کی مسکراتی کلیاں ہمیشہ مسکراتے رہو کا درس دیتی ہیں۔ اس میں علم و عمل کی نہریں بہ رہی ہیں جن سے جو چاہے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔ ان نہروں میں شاعری کی کشتیاں چل رہی ہیں جن کو چلانے والے ننھے شاعر ہیں۔ اس کے سبزہ زار پر صحت مند، تن درست و توانا، مستقبل کے معمار بچے کھیل رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا چمن ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی، کیوں کہ

اس کے مالی اس کو لگانے والے، محنت، لگن اور جدوجہد کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ عظیم ہیں اور باعثِ تحسین ہیں۔

محمد جاوید شفیع، دہلی کالونی

* مئی کا نونہال خاص نہ تھا۔ لطائف پسند آئے۔ آپ نے ۸۳ء کے ٹائٹیل بہترین دیے تھے۔ ویسے ہی ۸۴ء میں بھی دیں۔ آپ کہانیوں کے نام اور کہانیاں کالی روشنائی سے لکھا کریں رنگین نہ کریں۔

محمد اقبال بھٹی، علی محمد

* خاص طور پر حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ تحفے، کہانیوں میں ہنر مند بھائی، توری نے شکار مارا اور گلدار قابلِ تعریف تھیں۔ لطائف ذرا کچھ پرانے قسم کے تھے۔ جمشید اطہر، لطیف آباد

* کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ شاید اسی لیے مجھے شامل نہیں کر رہے ہیں۔ تازہ نونہال پڑھا بہت اچھا تھا۔ کہانیوں میں جس کا جتنا اُسی کا ثمر اور سلسلے وار ناول عارف پہ کیا گزری بہت اچھی تھی۔

محمد یونس حسین، کراچی

* ایک نظم "کتاب" بھیجی، مگر آپ نے شائع نہیں کیا۔ یہ خط شائع نہ کیا تو میں نونہال پڑھنا چھوڑ دوں گا۔

سید فرحان ہاشمی، کراچی

* نونہال میں مجھے تحفے بہت پسند آئے۔ لطیفے اور میرا ملک آزاد ہو گا بہت پسند آیا۔ اور اس کے علاوہ بوتل کے ذریعے پیغام رسانی بہت ہی پسند آیا۔ ایم جاوید خان، کراچی

ابھی آپ کچھ دن تک صرف پڑھیے، پھر لکھنا شروع کیجیے گا۔

* جیسے ہی نونہال ہاتھ میں آیا پتا تک نہیں چلا کہ وقت کب گزر گیا، لیکن مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ میں نے یہ وقت گنوایا نہیں بلکہ نونہال کی پیاری پیاری بہت سی باتوں سے فیض یاب ہوئی۔ میں نے اپنی کلاس کی لڑکیوں سے بھی نونہال کا تعارف کرایا۔

شازیہ بشیر، نواب شاہ

* اس مرتبہ تحفے اور نونہال ادیب کی تمام کہانیاں بہترین لگیں۔ عمران منشاء اللہ، کراچی

* عرصہ ایک سال سے نونہال کی قاری ہوں اور باقاعدگی سے کئی چیزیں مثلاً خط، کہانیاں، لطیفے وغیرہ بھیج چکی ہوں، مگر کبھی کوئی چیز شائع نہیں ہوئی۔ وجہ تو بتائیں۔

اختاج، کراچی

جب تم کسی رسالے کی ایڈیٹر ہو گی تو وجہ تمھیں خود معلوم ہو جائے گی۔

* جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔ کہانیوں میں وکیل کی پھانسی، توری نے شکار مارا اور پھول کملاتے نہیں اچھی تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ دو مسافر دو ملک کتابی صورت میں کب شائع ہو گا؟

عبدالمجید قادری، کراچی

کیا دو مسافر دو ملک کتابی صورت میں شائع کرنا ضروری ہے؟

* مجھے عارف پہ کیا گزری کہانی بہت پسند آئی۔ اب دوسری قسط دار کہانی آپ کب شروع کر رہے ہیں؟

ندیم الطاف باکرانی روڈ، لاڑکانہ

لیجیے، اس ماہ سے شروع کر دی۔

* جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا جا رہا ہے۔

ضیاء سبحان، کراچی

* اس شمارے کی سب سے بہترین تحریر عینیہ فرح کی "سبز جھنڈی" ہے۔ سرورق پُرکشش تھا۔ ارشاد حسین صبا، گلگت

* خیال کے پھولوں کی بھینی بھینی خوش بُو نے دماغ پر سحر سا طاری کر دیا۔ جاگو جگاؤ کے سادہ اور فہم انداز میں جتنی تاثیر اور جتنا خلوص میں نے دیکھا کسی اور تحریر میں نہیں پایا۔ کہانیوں میں "توری نے شکار مارا" سب سے نمبر لے گئی۔ "پسندیدہ کھلاڑی" کا سلسلہ اچھا نہیں لگا۔ پہلی بات کی کمی محسوس ہوئی۔ کیا "دو مسافر دو ملک" ختم ہو گیا ہے؟ ثروت رحمٰن، کراچی

جی ہاں، اس ماہ میں آخری قسط ہے۔

* کہانیاں مثلاً پھول کملاتے نہیں، میرا وطن آزاد ہو گا، ہنر مند بھائی، گلدار، توری نے شکار مارا بہت اچھی کہانیاں تھیں۔

سلیم رضا شاہ، راول پنڈی

* کہانیوں میں ہنر مند بھائی، وکیل کی پھانسی بالکل بکواس تھیں۔ لطیفے وہی گھسے پٹے تھے۔ تحفے اچھے تھے۔ جاگو جگاؤ

حسبِ معمول علم کی روشنی سے ہمارے ذہنوں کو منور کر گیا۔ یہ نونہال کی خوش قسمتی ہے کہ اسے حکیم محمد سعید کی سرپرستی حاصل ہے۔ نونہال ادیب میں تمام تحریریں اچھی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ نقل کا زور کم ہوا ہے۔ تصاویر کا معیار گر گیا ہے۔ معلوماتِ عامہ کے سوالات مشکل ہونے لگے ہیں۔ ملک عطا حسین اورنگی ٹاؤن

* سرورق دل کو بھایا۔ کہانیوں کا نیا انداز پسند آیا۔ لطیفوں نے ہم سب کو خوب ہنسایا۔ احمد رضا خان، کورنگی

* کہانیوں میں سب سے زیادہ پھول کملاتے نہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز، پیغام رساں بوتلیں، گلدار، میرا وطن آزاد ہو گیا، نہر مند بھائی، توری نے شکار مارا پسند آئیں اور نظمیں پانی اور گرمی کا گیت اچھی تھیں۔ حنیف غلام رسول، چاکیواڑہ

* سرورق اچھا نہیں تھا۔ سرورق پر باغوں کی تصویریں چھاپا کریں۔ حاجی عبدالستار صدیقی، شکارپور

* جاگو جگاؤ بے حد پسند آیا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ نونہال ہمارے تمام گھر والوں کو بے حد پسند ہے۔ براہِ مہربانی آپ یہ بتا دیں کہ کتنے سال کی عمر کے بچوں کی تصویر شائع کی جاتی ہے اور کیا ادارہ اس سال بھی خاص نمبر شائع کرے گا؟ راشد ثانی، کراچی

صحت مند نونہال میں تو دس سال تک کی عمر کے بچوں کی تصویریں شائع ہو سکتی ہیں۔ جی ہاں، خاص نمبر ان شاء اللہ آئندہ مہینے پوری شان سے شائع ہو رہا ہے۔

* ہمارے گھر ہر ماہ باقاعدگی سے نونہال آتا ہے۔ پوچھو تو جانیں بہت اچھا سلسلہ ہے۔ نونہال ادیب میں چچا اچھن بہت پسند آئی۔ ایس حبیب علی، پرانا سکھر

* سرورق بے انتہا خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں "وکیل کی پھانسی" اور "پھول کملاتے نہیں" بے انتہا پسند آئیں۔ جناب مسعود احمد برکاتی کا مضمون "تین طاقتیں" لاجواب تھا۔ پیغام رساں بوتلیں میں جو کچھ لکھا ہے کیا حقیقت میں بالکل ایسا ہی ہے؟
سید اطہر عباس نقوی، کراچی

لکھا تو یہی ہے کہ یہ حقیقت ہے۔

* ٹائیٹل پسند آیا، کیوں کہ سائنسی تھا۔ شاہد رضا خان، حیدر آباد

* حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔ لطیفے کہانیاں اور اس مہینے کا کھلاڑی وسیم راجا اور تحفہ اچھے تھے۔
مشتاق احمد قریشی، میر پور خاص

* لڑکیوں کے لیے پکوان کی ترکیب اور مکرامے، پن ورک، موتیوں سے دستکاری، گھریلو ترکیبیں وغیرہ بھیجوں تو کیا رسالے میں جگہ ملے گی۔ مدیرِ اعزازی سعدیہ راشد صاحبہ کی آج تک تصویر دیکھنے کو نہیں ملی۔ آپ کوئی ایک ایسا پروگرام بنائیں کہ ہم آپ لوگوں سے مل سکیں۔ ایک ماہ میں سب کو باری باری دعوت دیں۔ رسالے کی خامیوں خوبیوں وغیرہ پر بحث ہو۔ نادرہ رئیس، کراچی

* حکیم محمد سعید صاحب کے جاگو جگاؤ میں رمضان پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی تھی۔ "پیغام رساں بوتلیں" دنیا کی عجیب و غریب کتاب" "وسیم راجا" بہترین تحریریں تھیں۔ پھول کملاتے نہیں ایک سبق آموز کہانی تھی۔ نظموں میں گرمی کا گیت اور ہمدردی منفرد تھی۔ ارشد محمود ارشد، راولپنڈی

* ہمدرد نونہال ایک خوب صورت اور بہترین رسالہ ہے۔
سید جاوید انور رضوی، کراچی

* آپ کراچی کے نونہالوں کی تحریریں زیادہ شائع کرتے ہیں۔ کیا ہم پاکستانی نہیں ہیں۔ کیا ہمارا ماہ نامہ نونہال پر حق نہیں پڑتا۔ کیا نونہال امیروں کے لیے ہے۔ غریب لوگ اس میں حصّہ نہیں لے سکتے؟ اکرم علی بیسانی، حیدر آباد

* بہت اچھے اچھے لطیفے تھے۔ وکیل کی پھانسی، توری نے شکار مارا، میرا وطن آزاد ہو گا بہت اچھے اور زیادہ دل چسپ تھے۔
سید اکرام علی ہاشمی، حیدر آباد

* جون کا شمارہ تو سب شماروں سے نمبر لے گیا۔ اس شمارے کی کہانیاں، جاگو جگاؤ، پھول کملاتے نہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز، پیغام رساں بوتلیں، طب کی روشنی میں، میرا وطن آزاد ہو گا، توری نے شکار مارا، نونہال ادیب اور تین طاقتیں اچھی تھیں۔ لطیفوں کا تو جواب ہی نہ تھا۔ ہمدرد انسائیکلو پیڈیا بھی اچھا ہے۔
ممتاز علی آرائیں، شاہ پور چاکر

* ٹائیٹل بڑا خوب صورت تھا۔ عبدالرشید تنور، نواب شاہ

* آپ نے کھلاڑیوں کے سلسلے میں میرے پسندیدہ کھلاڑی وسیم حسن راجا کے بارے میں مضمون شائع کیا پسند آیا۔ میں کہانیاں لکھنے کا شوقین ہوں۔ محمد نعیم طاہر، کراچی

> کہانی واقعی بہت اچھی ہو تو ڈاک سے بھیج دیجیے۔

* ہمدرد نونہال کے تمام جاری سلسلے اچھے تھے۔ کہانیاں اس دفعہ تمام اچھی تھیں۔ تحفے کا معیار بلند ہو گیا ہے۔

عمر فاروق، ماڈل کالونی

* رسالہ بہت اچھا تھا۔ خاص طور سے جاگو جگاؤ، پیغام رساں، نظمیں، تین طاقتیں اچھی تھیں۔ ریاض الدین، کراچی

* خاص طور پر کہانیوں میں "میرا وطن آزاد ہو گا"، "ہنرمند بھائی" اور "کوری نے شکار مارا" بہت پسند آئیں۔ لطیفے تمام بہت اچھے تھے۔

سید کاشف کریم، کراچی

* کیا دو مسافر دو ملک کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔ اگر کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہے تو ہم اسے کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ ثوبیہ شاہد، کراچی

> اس شمارے میں آخری قسط ہے۔ کتابی شکل میں بھی ان شاء اللہ جلد شائع ہو گی۔

* ساری کہانیاں اور نظمیں مزے دار اور دل چسپ تھیں۔

پریتم کمار، قادر پور

* خاص طور پر وکیل کی پھانسی اور میرا وطن آزاد ہو گا بہت شان دار اور سبق آموز کہانیاں تھیں۔ اعجاز بشیر، ماڈل کالونی

* تمام کہانیاں اور نظمیں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر کہانیاں پھول کملاتے نہیں، وکیل کی پھانسی اور نظمیں ہمدردی، گرمی کا گیت، پانی بہت ہی اچھی تھیں۔ میں نے جولائی ۸۴ء میں ایک نعت اور ایک نظم لکھ کر روانہ کی تھی جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔

شگفتہ مقبول، کورنگی

> کوئی کہانی یا مضمون لکھنے کی کوشش کریں تو اچھا ہے۔

* اس دفعہ وسیم حسن راجا کی ملاقات بہت پسند آئی۔ باقی تمام مضامین اپنی جگہ پر بہت اچھے تھے۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ نونہال کی جان ہے۔ خانزادہ حمیدہ سمیع، نوشہرو فیروز

* اس دفعہ سب ہی کہانیاں اچھی تھیں۔ سرورق بھی خوب صورت تھا۔ بابر سلیم عاصی، ضلع گجرات

* کہانیوں میں پھول کملاتے نہیں، ہنرمند بھائی اور کوری نے شکار مارا پسند آئیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز میں ایک غلطی ہوئی تھی کہ نمبر چار کے بعد نمبر چھے لکھا ہوا ہے۔

راشد نصیر، کراچی

> راشد، آپ کا شکریہ۔ واقعی غلطی ہوئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پانچ باتوں کو ضروری قرار دیا تھا۔ اس لیے نمبر ۴ کے بعد نمبر ۵ ہونا چاہیے تھا۔

* گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی خاص نمبر کا شدت سے انتظار ہے۔ آپ نے ابھی تک کوئی قسط وار کہانی شائع نہیں کی۔ جون ۸۴ء کے شمارے میں دو مسافر دو ملک کا دُور دُور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا؟ طیب رشید، لاہور

> آپ کے سارے انتظار اس بار ختم کر دیے ہیں۔

* نونہال پڑھ کر دل گلاب کے پھول کی طرح مہک اُٹھا۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز تھا۔ جناب مسعود احمد برکاتی کا تین طاقتیں تعریف کے قابل ہے۔ تمام تحریریں دل چسپ تھیں۔

سرفراز درّانی، راول پنڈی

* یہ نونہال رسالہ بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ میں بچّوں کے رسالے جمع کر کے رکھتا ہوں۔ میرے دوست بھی نونہال بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ نونہال واحد رسالہ ہے جو مجھے جان سے پیارا ہے۔ محمد اسمٰعیل مغل، ضلع بھکر

* نونہال کو پندرہ روزہ کر دیں تو بہت اچھا ہے۔ خاص نمبر کب شائع ہو گا۔ ساجد ظہور، راول پنڈی

* سرورق اچھا تھا۔ ورق الٹتے ہی جاگو جگاؤ پر نظر پڑی جو بے حد پسند آیا۔ لطیفے کچھ اچھے نہیں تھے۔ بہرحال پسند آئے۔

سید لیاقت علی شاہ، روہڑی

* ساری کہانیاں سبق آموز اور دل چسپ تھیں۔ معلومات عامہ کے سوالات مشکل تھے۔ میرا ایک مشورہ ہے کہ نونہال کی قیمت بڑھا دیں اور صفحات ۱۵۰ کر دیں۔ حیدر علی اکبر علی، کراچی

* نونہال بہت پسند آیا۔ سب کہانیاں اچھی تھیں ۔
محمد یعقوب، کراچی

* اس ماہ کا رسالہ نہایت اچھا تھا، مگر دو مسافر دو ملک اچھا نہیں تھا۔ نونہال واقعی ہمارا رسالہ ہے ۔ مجتبیٰ علی خان، کراچی

* شمارہ جاگو جگاؤ سے لے کر آخر تک پورا پڑھا۔ کہانیوں میں پھول کھلاتے نہیں، بلکہ میرا وطن آزاد ہوگا بہت پسند آئیں۔

شبانہ حمید، چک ۲۳۲، ہری سنگھ

* سرورق بہت اچھا تھا۔ سب سے بہترین مضمون "پیغام رساں بوتلیں" (علی اسد) تھا۔ یہ رسالے کی جان تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، اصلی رابن سن کروسو کون تھا معیاری مضامین تھے۔ لطیفے اچھے تھے۔ نونہال ادیب میں "حلال روزی" سبق آموز مضمون تھا۔

صائم علی خان قادری، نارتھ کراچی

* جون کے ماہ نامے کا سرورق خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں پھول کھلاتے نہیں نصیحت آموز تھی۔ آپ نے صفحہ ۵۳ میں اڑن طشتریوں میں "ط" کی جگہ "ت" لکھ دی ہے یعنی اڑن تشتریوں" لکھا ہے۔ مہربانی کرکے لفظوں پر توجہ دیجیے ۔ پرکاش کمار، ڈسکو شہداد کوٹ

> پرکاش جی، اڑن تشتری غلط نہیں ہے۔ فارسی میں تشت اور تشتری ہے، عربی والوں نے طشت اور طشتری بنا لیا ہے۔

* جس تیزی سے زمانہ ترقی کر رہا ہے اسی تیزی سے نونہال کی بے پناہ مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ نونہال میں تفریح اور اصلاح دونوں چیزیں موجود ہیں، جو ساتھی پورا رسالہ ایک رات میں ختم کر دیں وہ ان دونوں چیزوں سے محروم رہ جائیں گے۔ جو مطالعہ زیادہ گہرائی میں ڈوب کر کیا جائے وہ ذہن پر زیادہ اثر چھوڑتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نونہال کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس رسالے میں لکھی گئی باتوں کو پڑھ کر ہر بچہ ایک مہذب شہری بن سکے۔ شبانہ صدیق، رد بڑی

* میں آپ کا بہت پرانا قاری ہوں، لیکن آج تک کوئی خط نونہال کو نہیں لکھا، لیکن آج میں آپ کو نونہال مصور کے لیے ایک تصویر اور ایک عدد لطیفہ بھیج رہا ہوں ۔ عبیداللہ شیخ، محلہ خیرپور

> تصویر نمبر آنے پر شائع ہو جائے گی۔

* اس مرتبہ نونہال میں چند تجاویز بھیج رہی ہوں۔ (۱) کہانیاں اور دیگر مضامین میں اردو آسان ہو، مگر کوئی مشکل لفظ آ ہی جائے تو اس کا مطلب اُس لفظ کے سامنے بریکٹ میں لکھ دیا جائے (۲) اس طرح مشکل الفاظ اور ان کے معنوں کا سلسلہ ختم کرکے اس ورق پر نونہال مشاعرہ شروع کیجیے جس میں آپ کے عنوان کے تحت نونہال مختلف شاعروں کے شعر بھیجیں۔ لہٰذا اس ورق پر نونہالوں کے اشعار شائع کیے جائیں۔ (۳) نونہال ادیب کا ایک ورق کم کرکے اس میں نونہالوں کی صرف نظمیں شائع کریں۔ (۴) پسندیدہ کھلاڑی کا سلسلہ ختم کرکے کوئی سائنسی ایجادات کا سلسلہ شروع کریں۔ سمیرہ نورین، ملیر کالونی

* ہمارا نونہال روز بہ روز ترقی کر رہا ہے۔

نبیلہ نگہت، کراچی

* مسلسل کہانی اور دو مسافر دو ملک بہترین سلسلہ ہے۔ ان کی کمی شدت سے محسوس ہوگی۔ جلد ہی نئے سلسلے شروع ہونا چاہیے پہلی بات کیوں کر ختم کر دی گئی؟ اس دفعہ تمام کہانیاں اچھی تھیں خصوصاً میرزا ادیب اور معراج صاحب کی کہانیاں لاجواب تھیں۔ تین طاقتیں بہت ہی زیادہ پسند آیا۔ میرا خیال تھا کہ آپ صرف نظمیں یا کہانیاں ہی معیاری نہ ہونے کی صورت میں واپس کرتے ہوں گے، مگر عبدالحفیظ خان غوری، کراچی کا خط پڑھ کر آگہی ہوئی کہ لطائف وغیرہ بھی واپس کر دیے جاتے ہیں۔ رئیس کوثر حامد، کراچی

> جی نہیں، کوئی تحریر واپس وصول نہ ہو تو اس کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تحریر ضرور چھپ جائے گی۔ مہینے بھر میں اتنی تحریریں موصول ہوتی ہیں کہ وہ سال بھر میں بھی شائع نہیں ہو سکتیں تو بتائیے ہم کیا کریں۔ صرف یہی راستہ ہے کہ بہت عمدہ اور اعلا تحریریں چھاپیں۔ اس لیے نونہالوں کو چاہیے کہ خوب محنت کرکے لکھیں اور اتنی عمدہ تحریر لکھیں کہ وہ انتخاب میں آ جائے۔ جن نونہالوں کی تحریریں شائع نہ ہوں وہ صبر سے کام لیں اور محنت و مشق جاری رکھیں۔

* میں نے جب سے پڑھنا سیکھا ہے اس وقت سے نونہال پڑھتی آ رہی ہوں۔ ہمارے گھر میں سب افراد بڑے شوق سے نونہال پڑھتے ہیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کو ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری ملنے پر ہماری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔ سیدہ درخشندہ بانو نقوی، کراچی

* پیغام رساں بوتلیں، توری نے شکار مارا، وسیم راجا، وکیل کی پھانسی، ایک جاں باز سنار، دل چسپ و عجیب تھیں۔ نیز اس مہینے کے کھلاڑی کا جو سلسلہ آپ نے شروع کیا ہے قابلِ تعریف ہے۔

ظہور احمد، آزاد کشمیر

* سرورق ہمیشہ کی طرح بہترین تھا، مگر کہانیوں کی تصویریں ہمیشہ کی طرح بالکل بے کار تھیں۔ بشیر احمد قادری، پنڈی گھیپ

* خاص طور سے میرا وطن آزاد ہو گا، ہنر مند بھائی اور وکیل کی پھانسی بہت پسند آئیں۔ عدیل حیدر، نواب شاہ

* جون کا نونہال دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

بشرا احمد، لادہ

* جون کا نونہال ملا پڑھ کر گرمی میں ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ اس کی پیاری پیاری چیزیں خاص کر کہانیاں اور نظمیں دل کو بھاتی ہیں۔ رئیس رحمت اللہ، چوک ظاہر پیر

* توری نے شکار مارا اور ہنر مند بھائی یہ کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ میری عمر ۱۱ سال ہے کیا میں صحت مند نونہال میں اپنی تصویر بھیج سکتا ہوں۔ محمد عباس، کراچی

> صرف دس سال تک کے نونہالوں کی تصویریں صحت مند نونہال میں شائع ہو سکتی ہیں۔

* بعض بچے لکھتے ہیں کہ آپ خاص نمبر کب شائع کریں گے یہ خاص نمبر کیا ہوتا ہے۔ کہاں ملتا ہے اور کتنے کا ملتا ہے۔ اگر میں اپنی کوئی کہانی یا لطیفہ بھیجوں تو کیا آپ شائع کر دیں گے؟

لبنیٰ عمر، ڈرگ کالونی

> خاص نمبر ستمبر میں شائع ہو رہا ہے، اسے دیکھ کر سب کچھ سمجھ لینا۔ کہانی ابھی نہ بھیجیے۔

* جون کا شمارہ پڑھ کر بہت خوشی ہوتی اور یہ ثابت ہوا کہ نونہال سے اچھا کوئی رسالہ نہیں۔ اگر میں نونہال میں کوئی کہانی بھیجوں تو.....؟ شازیہ جبیں، کراچی

> نہیں بی بی، ابھی تو کہانیوں کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں۔

* لاہور سے شائع ہونے والا بچوں کا ایک رسالہ لکھتا ہے کہ وہ پاکستان میں سب سے زیادہ چھپتا ہے اور آپ کا نونہال یہ لکھتا ہے کہ وہ پاکستان میں سب سے زیادہ چھپتا ہے۔ آخر چکر کیا ہے؟ فیصل حسن، کراچی

> آپ بازار میں چند دکانوں پر جا کر خود معلوم کر لیں چکر سے باہر نکل آئیں گے۔

* ہمدرد نونہال کا ہر رسالہ نصیحتوں اور خوبیوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور اس کی تو مانگ اس علاقے میں تیزی سے بڑھ رہی ہے سوائے چند لڑکوں کے ہمارے محلے کے تمام لڑکے نونہال کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ عرفان اللہ المحمود، اسلام آباد

ان نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے اچھے خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ فہیم احمد سولنگی، فرزانہ آفرین، ارشید خان، محمد زاہد، اظہر الحق نواز قریشی، مسرور احمد، سید جاوید علی، کامران محبوب، محمد شعیب، طارق احمد صدیقی، سہیل عالم، ندیم احمد، پرنس محمد انور نجم، آصف علی رانا، فیصل صدیقی، کوثر ناز، رضوان اکبر، ناظمہ ارم، سعدیہ فرحت، شکیل احمد، فیصل حسین، شازیہ جبیں، ظفر فاروقی، نیر سلطانہ، نسرین خان، فاروق فیصل، لبنیٰ عمر۔
حیدر آباد:۔ مغفل آدم علی ڈالڑ، سید اکرام علی، محمد حفیظ، نجم الحسن نیازی۔ شادی پلی:۔ ملک محمد اشرف راہی، سید لیاقت علی، ملک محمد شمع اللہ۔ سکھر: محمد علی شاہین، محمد عادل۔ بکھڑوال:۔ عبد المجید ساجد۔ بہاول نگر:۔ پرنس افضل شاہین۔ روہڑی، عظمیٰ فاطمہ۔ پشاور شہر، ارشد حسین اعوان۔ جام شورو کالونی:۔ رضوان سلیم خان۔ ٹنڈو آدم:۔ فیصل سلیم، فواد سلیم۔ ملتان:۔ نذیر احمد۔ ٹنڈو الہ یار:۔ ندیم احتشام کے کے۔ فیصل آباد:۔ ایم ایس ناز، ایم این ناز، ایم اے ناز، شمائلہ ناز ملک۔ اسلام آباد:۔ شازیہ چوہدری، عرفان اللہ المحمود۔ بھارو شاہ:۔ عتیق الزماں۔ کھلابٹ ٹاؤن:۔ ملک کریم بخش اعوان۔ تھل:۔ اصغر جاوید۔ بہاول پور:۔ ساجد خاں بلوچ۔ پیپلان:۔ محمد سلیم ہمدم۔ نامعلوم مقام:۔ شبانہ، رخسانہ، رضوانہ، بے بی، رانی، روحی، شبو۔ مینگورہ:۔ فضل ربی راہی۔ بہاول پور:۔ راجدہ محمود۔

معلوماتِ عامہ

سلسلہ نمبر ۲۲۰

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۱۵۔اگست ۱۹۸۴ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلومات عامہ نمبر ۲۲۰ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات الگ کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور تحریر کریں۔

۱۔ بتائیے بیونس آئرس کس ملک کا دارالحکومت ہے؟
۲۔ پاکستان کی مشہور افسانہ نگار خاتون خدیجہ مستور کو کس ناول پر آدم جی انعام ملا تھا؟
۳۔ بتائیے پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز "نشانِ حیدر" کس سال سے شروع ہوا ہے؟
۴۔ کس علم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے بقراط نے جنم دیا اور بو علی سینا نے پروان چڑھایا؟
۵۔ کس راگ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ گایا جائے تو بارش ہو جاتی ہے؟
۶۔ بتائیے ریاست ہائے متحدہ امریکا کا رقبہ زیادہ ہے یا فرانس کا؟
۷۔ مشہور سیاح مارکو پولو کس عیسوی صدی میں چین گیا تھا؟
۸۔ مشہور فلسفی سقراط کو کس شہر سے بڑی محبت تھی؟
۹۔ ایسے کم از کم تین براعظموں کے نام بتائیے جو الف سے شروع ہوتے ہیں؟
۱۰۔ اردو کا کوئی ایسا محاورہ بتائیے جس میں دو پرندوں کے نام آئے ہوں؟

*

معلومات عامّہ ۲۱۸ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے معلوماتِ عامّہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامّل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام۔ معلوماتِ عامّہ ۲۱۸ کے صحیح جوابات یہ ہیں۔

۱۔ وہ غیر عرب اور طویل العمر صحابی حضرت سلمان فارسیؓ تھے جن کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ ہمارے اہلِ بیت میں ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جتنی بار توفیق دے عمرہ کیا جاسکتا ہے، تعداد کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

۳۔ مصر کے قدیم لوگ ایک ہزار کے ہندسے کے لیے کنول کے پھول کو علامت کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

۴۔ امید فاضلی کا مجموعۂ کلام "دریا آخر دریا ہے" میں لفظ دریا دو بار استعمال ہوا ہے۔

۵۔ مشہور مفکر ژان ژاک روسو ملک اوسٹریا میں پیدا ہوا تھا۔

۶۔ ۱۹۶۰ء میں امریکا کے صدر جنرل آئزن ہاور تھے۔

۷۔ لفظ "مختصر" ہی وہ لفظ ہے جو مختصر کہنے سے ظاہر ہوجاتا ہے۔

۸۔ فُٹ بال کا سب سے بڑا اسٹیڈیم برازیل میں ہے۔

۹۔ برازیل، ارجنٹائن اور وینزوئلا میں برازیل کا رقبہ سب سے زیادہ ہے۔

۱۰۔ اگر ایک ربن تیس انچ لمبا ہو اور آپ کو اس کے دو دو انچ کے ٹکڑے کرنے ہوں تو آپ کُل چودہ مرتبہ اس کو کاٹیں گے۔

صحیح جوابات

اب کی بار معلومات ۲۱۸ کے دس سوالوں کے صحیح جوابات کسی کے بھی موصول نہیں ہوئے۔

نو صحیح جوابات بھیجنے والے کا نام

مشتاق رحمت اللہ

کراچی

آٹھ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

سکھر

منصور علی

ادریس مبارک آرائیں

جنید مبارک آرائیں

مختیار احمد انصاری، لاڑکانہ

سانگھڑ

محمد امین سیف الملوک

عاجز عبد الرحمٰن رند

ظفر صبور عالم، کراچی

ہوگا دنیا میں تو بے مثال میرے بچے میرے نونہال
فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل و صورت، عادات و اطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے۔ اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔
دور اندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام و سکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔
جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بد ہضمی، قبض، اپھارہ، قے و دست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔
نونہال
ہربل گرائپ واٹر
بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے
Naunehal
Herbal Gripe Water
Naunehal
Hamdard

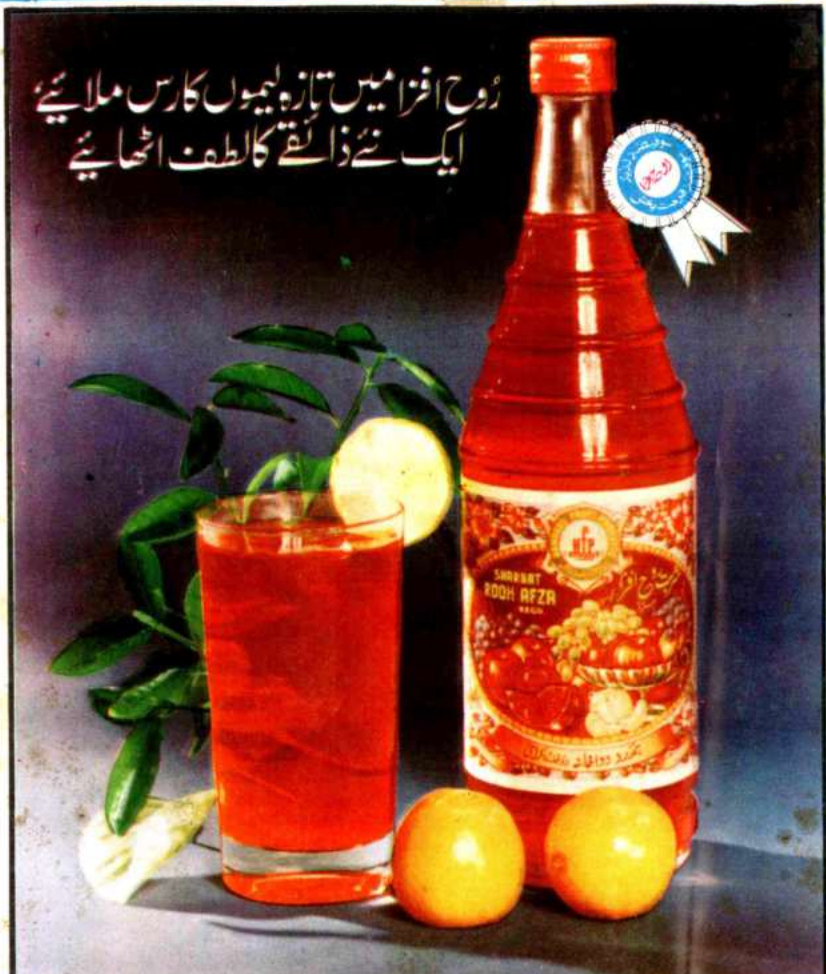

روح افزا مشروبِ مشرق

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق
بدزبانی ذہن کا سرطان ہے

Adarts/84